امام کے پیچھے قراءت کرنے کا مسئلہ

مکمل اسنادی بحث کے ساتھ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہیکہ قراءت خلف الامام متروک ہے۔

ماخوذ : مجلہ الاجماع

النعمان سوشل میڈیا سروسز

شمارہ نمبر ۱۴

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

مارچ / ۲۰۲۰



دو ماہی مجلّہ

الاجماع



- امام کے پیچھے قراءت کا مسئلہ (قسط ۱)
- امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) امام مالک بن انسؒ (م ۱۷۹ھ) کے نزدیک ثقہ ہیں۔
- ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) نے ثقہ، امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) سے ان کے اختلاط پہلے روایت لی ہے۔

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

امام کے پیچھے قراءت کا مسئلہ (قسط ۱)

-مولانا نذیر الدین قاسمی

امام کے پیچھے قراءت کرنے کا مسئلہ فقہاء کے درمیان اختلافی ہے۔

لیکن قرآن و حدیث کے روشنی میں راجح یہی ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا متروک ہے۔**(اعلاء السنن: ج۴: ص۵۶، ۱۳۲)** اور نبی ﷺ اور صحابہؓ سے امام کے پیچھے قرآت کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔

دلائل درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر ۱:

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

جب قرآن پڑھا جائے، تو تم کان لگائے رہوا، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔**(سورۃ الاعراف: ۲۰۴)**

فہم سلف وائمہ مفسرین کی تفسیر:

(۱) امام المفسرین، حافظ الحدیث، امام مجاہد بن جبرؒ **(م ۱۰۴ھ)** کہتے ہیں کہ

قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في صلاة فيها قراءة، فسمع قراءة فتى من الأنصار، فأنزل الله عز وجل: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}

آنحضرت ﷺ نماز میں قراءت فرمارہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک انصاری نوجوان کو قراءت کرتے سنا، جس پر یہ آیت (**وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا**) نازل ہوئی۔(**احکام القرآن للطحاوی: ج۱: ص ۲۴۴**)[1]

---

[1] ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام ابو جعفر طحاویؒ (**م ۳۲۱ھ**) کہتے ہیں کہ

حدثنا ابن أبي مريم، قال: حدثنا الفريابي، عن ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، في قوله عز وجل: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في صلاة فيها قراءة، فسمع قراءة فتى من الأنصار، فأنزل الله عز وجل: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}۔(احکام القرآن للطحاوی: ج۱: ص ۲۴۴، ت الدكتور سعد الدين أونال، ط: مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركي، استانبول)

سند کے رواۃ کی تحقیق درج ذیل ہے:

(۱) امام ابو جعفر، احمد بن محمد بن سلامۃ طحاویؒ (**م ۳۲۱ھ**) مشہور ثقہ، ثبت، محدث، فقیہ اور مصر کے حافظ الحدیث ہیں۔(**کتاب الثقات للقاسم: ج۲: ص ۳۶**)

(۲) عبد اللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریمؒ (**م ۵۳ ۳ھ**) صدوق ہیں۔

محدث مسلمہ بن قاسمؒ (**م ۳۵۳ھ**) نے کہا: کہ آپؒ ثقہ ہیں۔ حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (**م ۸۷۹ھ**) نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔(**کتاب الثقات للقاسم: ج۶: ص ۱۱۰**)، امام ابو نعیم اصبہانیؒ (**م ۴۳۰ھ**)، امام دار قطنیؒ (**م ۳۸۵ھ**)، امام ضیاء الدین مقدسیؒ (**م ۶۴۲ھ**) وغیرہ نے ان کی حدیث کی تحسین و تصحیح کی ہیں۔(**المسند المستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم: ج۱: ص ۴۰۵، سنن دار قطنی: ج۲: ص ۵۰۱، حدیث نمبر ۱۹۵۹، ج۳: ص ۴۰۴، حدیث نمبر ۲۸۴۴، الاحادیث الاحادیث المختارۃ: ج۸: ص ۲۶۱، ج۱۰: ص ۱۸۳، ۱۵۴، ۱۵۳**) اور کسی حدیث کی تصحیح و تحسین اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔(**الاجماع مجلہ: ش۴: ص ۲**) لہذا عبد اللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریمؒ (**م ۳۵۳ھ**) صدوق ہیں۔ نیز حافظ ذہبیؒ (**م ۷۴۸ھ**) نے بھی ان سے مردی حدیث کی سند کے بارے میں کہا: کہ اس کی سند صاف ہے۔(**تذکرۃ الحفاظ: ج۳: ص ۸۸**)

نوٹ:

امام ابن عدیؒ (**م ۳۶۵ھ**) کی جرح غیر صحیح ہے۔ حافظ ذہبیؒ (**م ۷۴۸ھ**) نے میزان میں کہا:

(۲)	ایک اور قول میں امام مجاہدؒ(م۱۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ

عن مجاهد، قال: "قرأ رجل خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنزلت: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون}

رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک آدمی نے قرات کی، تو یہ آیات " **وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون** " نازل ہوئی۔ (**تفسیر ابن ابی حاتم: ج۵: ص۱۶۴۶**)[2]

قال ابن عدي: حدث عن الفريابي بالبواطيل، ثم ساق له عن جده سعيد،

حدثنا ابن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن ابن عباس في قوله تعالى: وشاورهم في الامر قال أبو بكر وعمر: قال ابن عدي: إما أن يكون مغفلا أو يتعمد، فإني رأيت له مناكير۔ (ميزان الاعتدال: ج۲: ص ۴۹۱)

مگر ان کی جس "۲" احادیث کو ابن عدیؒ نے غیر محفوظ اور باطل کہا ہے۔ (**الکامل: ج۵: ص۴۱۹**)، ان میں وہ منفرد ہی نہیں ہے۔ مثلاً پہلی حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں ابن ابی مریم کے متابع میں حسین بن ضحاک کے بھائی عبد الوہاب بن ضحاک النیساپوریؒ [**صدوق**] راوی موجود ہے۔ (**المتفق والمفترق للخطیب: ج۳: ص۱۵۴۵**)، اور دوسری ابن عباس کی حدیث میں ان کے متابع میں یحیی بن ایوب العلافؒ (**م۲۸۹ھ**) [**صدوق**] موجود ہے۔ (**المستدرک للحاکم: ج۳: ص۷۴، حدیث نمبر ۴۴۳۶**) اس حدیث کو امام حاکمؒ(**م۴۰۵ھ**) اور امام ذہبیؒ(**م۷۴۸ھ**) نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ لہذا امام ابن عدیؒ(**م۳۶۵ھ**) کی جرح غیر صحیح ہے۔

(۳)	ورقہ بن عمر بن کلیب الیشکریؒ صحیحین کے راوی اور صدوق ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۴۰۳**)

(۴)	عبد اللہ بن ابی نجیح، ابو یسار المکیؒ(**م۱۳۱ھ**) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۶۶۲**)

(۵)	امام مجاہد بن جبرؒ(**م۱۰۴ھ**) مشہور ثقہ اور مضبوط، حافظ الحدیث اور ائمہ تفسیر میں سے ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۴۸۱، الکاشف للذہبی**)

معلوم ہوا کہ یہ سند حسن ہے۔ واللہ اعلم

[2] مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور امام الجرح والتعدیل، امام عبد الرحمٰن ابن ابی حاتمؒ(**م۳۲۷ھ**) کہتے ہیں کہ

حدثنا أبو سعيد الأشج، ثنا أبو خالد، عن حجاج، عن ابن جريج، عن مجاهد، قال: "قرأ رجل خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنزلت: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون}۔(تفسیر ابن ابی حاتم: ج۵: ص ۱۶۴۶، ت أسعد محمد الطيب، ط مكتبة نزار مصطفى الباز - المملكة العربية السعودية)

سند کے رووات کی تحقیق درج ذیل ہے:

(۱) امام عبد الرحمٰن ابن ابی حاتمؒ (م ۳۲۷ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور امام الجرح والتعدیل ہیں۔**(کتاب الثقات للقاسم: ج۶: ص ۲۹۶)**

(۲) عبد اللہ بن سعید الکندی، ابو سعید الاشجؒ (م ۲۵۷ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔**(تقریب: رقم ۳۳۵۴، الکاشف)**

(۳) سلیمان بن حیان، ابو خالد الاحمرؒ (م ۱۹۰ھ) بھی صحیحین کے راوی اور صدوق، امام ہیں۔**(الکاشف للذہبی: رقم ۲۰۸۰)**

(۴) عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریجؒ (م ۱۵۰ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، فاضل اور مدلس راوی ہیں۔**(تقریب: رقم ۴۱۹۳)**

نوٹ:

اگرچہ اس روایت میں ابن جریجؒ (م ۱۵۰ھ) کا "عنعنہ" موجود ہے، لیکن ان کے متابع میں ثقہ راوی "عبد اللہ بن ابی نجیح، ابو یسار المکیؒ (م ۱۳۱ھ)" موجود ہے۔(دیکھئے پہلی روایت)، لہذا اس روایت میں ان پر تدلیس کا الزام باطل اور مردود ہے۔

(۵) امام مجاہد بن جبرؒ (م ۱۰۴ھ) مشہور ثقہ و مضبوط، حافظ الحدیث اور ائمہ تفسیر میں سے ہیں۔**(تقریب: رقم ۶۴۸۱، الکاشف للذہبی)**

معلوم ہوا کہ یہ سند بھی حسن ہے۔

نوٹ نمبر ۱:

امام مجاہدؒ (م ۱۰۴ھ) کی یہ تفسیر **درایتاً متصل ہے**۔ کیونکہ باقاعدہ مجاہدؒ نے ابن عباسؓ سے پوری تفسیر پڑھی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کہتے ہیں کہ

مجاہدؒ نے فرمایاہیں کہ میں نے مصحف قرآنی، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے پیش کر دیا، ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور ان سے مطلب سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے امام سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے جب تمہیں تفسیر، مجاہد سے پہنچے تو بس بالکل کافی ہے۔**(اصول تفسیر لابن تیمیہ اردو: ص ۱۵، طبع المکتبۃ السلفیۃ)**، ایک اور مقام پر امام صاحب کہتے ہیں کہ

مجاهد بن جبر فإنه كان آية في التفسير كما قال محمد بن إسحاق: حدثنا أبان بن صالح عن مجاهد قال: عرضت المصحف على ابن عباس ثلاث عرضات من فاتحته إلى خاتمته أوقفه عند كل آية منه وأسأله عنها وبه إلى الترمذي قال: حدثنا الحسين بن مهدي البصري حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن قتادة قال: ما في القرآن آية إلا وقد سمعت فيها شيئا وبه إليه قال حدثنا ابن أبي عمر حدثنا سفيان بن عيينة عن الأعمش قال: قال مجاهد: لو كنت قرأت قراءة ابن مسعود لم أحتج أن أسأل ابن عباس عن كثير من القرآن مما سألت. وقال ابن جرير: حدثنا أبو كريب قال: حدثنا طلق بن غنام عن عثمان المكي عن ابن أبي مليكة قال: رأيت مجاهدا سأل ابن عباس عن تفسير القرآن ومعه ألواحه قال: فيقول له ابن عباس اكتب حتى سأله عن التفسير كله۔

امام مجاہد بن جبرؒ تفسیر میں ایک آیت(نشانی) تھے،ایک روایت میں وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کے سامنے قرآن کریم کو شروع سے اخیر تک تین مرتبہ پیش کیا، ہر آیت پران کو ٹھہراتا اور ان سے اس آیت کے بارے میں معلوم کرتا،امام قتادہؒ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت کے بارے میں ،میں نے کچھ نہ کچھ علم ضرور سن رکھا ہے،ایک روایت میں اعمشؒ کہتے ہیں کہ مجاہدؒ فرماتے ہیں :اگر میں حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت پڑھا ہوتاتو حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کریم کے بارے میں ، میں نے جو سوالات کئے تھے ان میں سے بہت سے سوالات کی ضرورت ہی پیش نہ آتی ،ابن ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں نے مجاہد کو ابن عباسؓ سے قرآن کی تفسیر کے بارے میں سوال کرتے دیکھا، اور مجاہدؒ کے پاس تختیاں تھیں،راوی کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ مجاہد سے کہتے لکھو، یہاں تک کہ مجاہدؒ نے ابن عباسؓ سے پوری تفسیر پوچھ لی۔**(مجموع الفتاوی: ج۱۳: ص۳۶۸)**

اسی طرح شیخ الاسلامؒ کے شاگر حافظ ابن القیمؒ **(م۷۵۱ھ)** نے بھی مجاہدؒ کے بارے میں یہی نقل کیا ہے۔دیکھئے **الصواعق المرسلۃ: ج۳: ص۹۲۴،**

امام احمد بن حنبلؒ **(م۲۴۱ھ)** نے اصحاب ابن عباس میں پہلے نمبر پر مجاہدؒ کو ذکر کیا ہے۔**(علل احمد بروایت عبد اللہ: رقم ۲۷۶)**، حافظ ذہبیؒ **(۷۴۸ھ)** کہتے ہیں کہ "**رَوَى عَنِ: ابْنِ عَبَّاسٍ - فَأَكْثَرَ وَأَطَابَ - وَعَنْهُ أَخَذَ القُرْآنَ، وَالتَّفْسِيْرَ، وَالفِقْهَ**" انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا، پس کثرت سے اور بہترین (روایت) کیا، انہیں سے قرآن، تفسیر اور فقہ حاصل کیا۔**(سیر: ج۴: ص۴۵۰)**، امام ابن حزمؒ **(م۴۵۶ھ)** نے مجاہدؒ کو مکہ کے **الطبقۃ الاولی** کے قراء میں شمار کیا اور کہا کہ ان ہونے ابن عباسؓ کے پاس قریب قریب ۲۷ بار مکمل قرآن پڑھا۔**(اکمال تہذیب الکمال: ج۱۱: ص ۷۹)**، امام ابن

کثیرؒ (م۷۷۴ھ) کہتے ہیں کہ " **کان من أخصاء أصحاب ابن عباس** "عبد اللہ بن عباسؓ کے اصحاب میں مجاہدؒ خاص الخاص تھے۔ (**البدایہ والنہایہ: ج۹: ص۲۵۰**)

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ امام مجاہدؒ نے قرآن کی تفسیر ابن عباسؓ سے لی ہے۔ بلکہ کئی بار قرآن کی مکمل تفسیر ابن عباسؓ سے سیکھی۔ لہذا تفسیر میں مجاہد کی مرسل روایت در صل معنوی طور پر ابن عباسؓ سے مروی ہوگی۔

بلکہ "**مجاھد عن رسول اللہ**" کا معاملہ بالکل "**علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس**" کی طرح ہے۔ علی بن ابی طلحہؒ (م۱۴۳ھ) نے اگر چہ ابن عباسؓ کو نہیں پایا، لیکن ائمہ نے صراحت کی ہے کہ ان ہونے ابن عباسؓ کے ثقہ اصحاب مثلاً مجاہدؒ سے علم حاصل کیا اور پھر ان سے ارسال کیا، اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ، امام ابو حاتمؒ وغیرہ محدثین نے اس سند "**علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس**" پر اعتماد کیا ہے۔ (**میزان الاعتدال: ج۳: ص۱۳۴، تحفۃ اللبیب بمن تکلم فیھم الحافظ ابن حجر من الرواۃ في غیر التقریب: ج۱: ص۵۸۶**)،

بس یہی معاملہ تفسیر میں مجاہدؒ کی مرسل روایات کا ہے۔ اس لئے کہ اگر چہ مجاہدؒ نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پایا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ثقہ صحابی ابن عباسؓ سے علم تفسیر حاصل کیا۔ اور پھر ان سے ارسال کیا۔ لہذا تفسیر میں "**مجاھد عن رسول اللہ**" کی سند معنوی طور پر متصل اور حجت ہوگی۔ واللہ اعلم

نیز اس آیت [**وإذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وأنصتوا**] کے شان نزول میں مجاہدؒ کی روایت خاص طور سے متصل اور حجت ہیں۔ کیونکہ جس طرح مجاہدؒ نے اس آیت جو شان نزول بیان کیا ہے۔ بالکل اسی طرح وہی شان نزول عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی اور ثابت ہے۔ (**دیکھئے ص: ۱۸-۱۹**)

<u>ارشاد الحق اثری اور دیگر علماء کا اعتراض اور اس کا جواب:</u>

لہذا مجاہدؒ کا ابن عباسؓ سے علم تفسیر حاصل کرنا، اور پھر اس آیت کا عبد اللہ بن عباسؓ کی طرح، مجاہدؒ کا بھی وہی شان نزول بیان کرنا، یہ بات کو واضح کرتا ہے کہ مجاہدؒ نے یہ روایت عبد اللہ بن عباسؓ سے ہی سنی ہے۔ لہذا یہ روایت درایتاً متصل اور حجت ہیں۔ نیز ارشاد الحق اثری اور دیگر علماء کا اس روایت کو کو مرسل اور منقطع کہنا غیر صحیح اور باطل ہے۔

<u>نوٹ نمبر ۲ :</u>

بقول بعض علماء کے، اگر اس کو مرسل بھی تسلیم کر لیا جائے، تو بھی امام مجاہد بن جبرؒ (م۱۰۴ھ) کی مراسیل ائمہ کے نزدیک مقبول اور دیگر مراسیل سے بہتر ہے۔

(۳) امام محمد بن مسلم، ابو بکر الزہریؒ (م ۱۲۵ھ) کہتے ہیں کہ

عن الزهري، قال: نزلت هذه الآية في فتى من الأنصار كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما قرأ شيئا قرأه، فنزلت: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}.

---

(۱) امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ) سے سوال کیا گیا کہ مراسیل مجاہد بہتر ہے یا مراسیل عطاء ؟؟ تو جواب دیا کہ مراسیل مجاہد بہتر ہے، کیونکہ عطاء ہر ایک سے روایت لیتے تھے۔(**تہذیب الکمال: ج ۲۷: ص ۲۳۳**)

(۲) قریب قریب یہی بات امام یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ)

(۳) امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ)

(۴) امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) وغیرہ نے بھی کہی ہے۔(**العلل الصغیر للترمذی : ص ۷۵۴، المراسیل لابن ابی حاتم : ص ۴، الجامع العلوم الامام احمد: علوم الحدیث: ج ۱۵: ص ۴۱۸**)

(۵) حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کہتے ہیں کہ مراسیل مجاہد حسن (اچھی) ہے۔(**شرح عمدۃ لابن تیمیہ، کتاب الصلاۃ : ص ۱۵۴**)

(۶) حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کہتے ہیں کہ ابراهیم نخعیؒ، شعبیؒ اور مجاہدؒ کی مراسیل مضبوط مراسیل ہیں اور ان میں کوئی حرج نہیں، ایک جماعت نے ان کو قبول کیا اور ایک نے رد کیا۔(**الموقطة: ص ۴۰**)

(۷) شیخ الالبانیؒ بھی کہتے ہیں کہ "**من المسلَّم عند العلماء أن مراسيل مجاهد خير من مراسيل غيره من التابعين كعطاء وغيره، فإن لم يثبت سماعه للحديث من أبي ذر؛ فهو مرسل صحيح، يمكن تقويته ببعض الشواهد**" علماء کے نزدیک یہ مسلمات میں سے ہے کہ مراسیل مجاہد دیگر تابعین مثلاً عطاء وغیرہ سے بہتر ہے۔لہذا حدیث کے سلسلے میں اگرچہ مجاہد کا سماع ابو ذرؓ سے ثابت نہیں، تو بھی مجاہدؒ کی روایت صحیح مرسل ہے، جس کا بعض شواہد کے ذریعہ قوی ہونا ممکن ہے۔(**الصحیحۃ: ج ۷: ص ۱۲۱۶**)

معلوم ہوا کہ ائمہ اور علماء کے نزدیک مراسیل مجاہد بہتر، اچھی اور مضبوط مراسیل ہے۔نیز وہ شواہد کے ذریعہ اور بھی قوی ہوسکتی ہے۔اس کے مزید شواہد آگے آرہے ہیں، اس لحاظ بھی یہ روایت مقبول اور قوی ہے۔لہذا اثری صاحب کا اعتراض باطل ہے۔

یہ آیت آنصار کے ایک نوجوان کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔رسول اللہ ﷺ جب جب بھی نماز میں قرات کرتے تھے،تو وہ بھی قرات کرتے،تو اس پر یہ آیات {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا} نازل ہوئی۔(تفسیر الطبری لابن جریر:ج۱۰:ص۶۵۹)[3]

---

[3] مشہور مفسر،امام محمد بن جریر الطبریؒ(م۳۱۰ھ) اس کی سندیوں بیان فرماتے ہیں کہ

حدثني أبو السائب، قال: ثنا حفص، عن أشعث، عن الزهري، قال: "نزلت هذه الآية في فتى من الأنصار كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما قرأ شيئا قرأه، فنزلت: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}۔(تفسیر ابن جریر الطبری: ج ۱۳: ص ۳۴۶،ت: أحمد محمد شاکر، ط: مؤسسة الرسالة)

سند کے رواۃ کی تفصیل یہ ہیں:

(۱) امام محمد بن جریر الطبریؒ(م۳۱۰ھ) مشہور ثقہ،حافظ الحدیث اور ائمہ تفسیر میں سے ہیں۔**(کتاب الثقات للقاسم:ج۸:ص۲۱۵)**

(۲) سلم بن جنادۃ،ابو السائب الکوفیؒ(م۲۵۴ھ) سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔**(تقریب:رقم ۲۴۶۴)**،نیز ان کے متابع میں سفیان بن وکیعؒ[**مقبول عند المتابعة**] **(تفسیر ابن جریر:ج۱۳:ص۳۴۸)** اور سہل بن عثمان العسکریؒ(م۲۳۵ھ)[ثقہ] **(القراءۃ خلف الامام للبیہقی:ص۱۱۵)** وغیرہ موجود ہے۔

(۳) حفص بن غیاثؒ(م۱۹۵ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ فقیہ ہیں۔**(تقریب:رقم ۱۴۳۰)**

نوٹ:

چونکہ ان کے متابع میں سلیمان بن حیان،ابو خالد الاحمرؒ(م۱۹۰ھ)[صدوق]،عبد الرحمٰن بن محمد بن زیاد المحاربیؒ(م۱۹۵ھ)[ثقہ] **(تفسیر ابن جریر:ج۱۳:ص۳۴۸)** اور یحیی بن زکریا بن ابی زائدۃؒ(م۱۸۴ھ)[ثقہ،متقن] **(القراءۃ خلف الامام للبیہقی:ص۱۱۵)** وغیرہ موجود ہے۔لہذا اس روایت میں حفص بن غیاثؒ(م۱۹۵ھ) پر تدلیس اور اختلاط کا الزام باطل اور مردود ہے۔

(۴) اشعث بن سوار الکوفیؒ(م۱۳۶ھ) صحیح مسلم اور سنن ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ کے راوی ہے اور ان کے بارے میں اختلاف ائمہ کا ہے۔بعض نے جرح کی اور بعض نے توثیق کی ہے۔حافظ ذہبیؒ(م۷۴۸ھ) اور حافظ نور الدین الہیثمیؒ(م۸۰۷ھ) نے ان کو حسن الحدیث تسلیم کیا ہے۔**(من تکلم فیه وهو موثق للذہبی:ص۴۸، مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۶۴۰۶، سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، از زبیر علی زئی: ص ۳۴)**،حافظ الحدیث،امام عبد الحق الاشبیلیؒ(م۵۸۱ھ) کہتے ہیں کہ میں نے اشعث کے سلسلے میں ابن عدیؒ کے قول سے بہتر قول

(۴) مشہور کبار تابعی، امام، مفسر رفیع بن مہران، ابو العالیہؒ (م۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ

کسی کا نہیں سنا، اور امام ابن عدیؒ (م۳۶۵ھ) کا قول یہ ہے کہ **"أشعث بن سوار قد روى عنه أبو إسحاق السبيعي، وشعبة وشريك ولم أجد لأشعث فيما يرويه متنا منكرا إنما في الأحايين يخلط في الإسناد ويخالف"** اشعث بن سوار سے ابو اسحاق السبیعی، شعبہ اور شریک نے روایت کی ہے اور میں نے اشعث کی کوئی روایت متن کے اعتبار سے منکر نہیں پائی، البتہ وہ بعض مرتبہ میں سندوں کو ملا دیتے ہے اور کبھی مخالفت کرتے ہیں۔ **(الکامل لابن عدی: ج۲: ص۴۵)**

لیکن اس روایت میں ابن عدیؒ کا قول "**يخلط في الإسناد ويخالف**" مضر نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں پر نہ انہوں نے مخالفت کی اور نہ ہی سند بیان کی۔ بلکہ صرف اپنے شیخ سے ایک قول نقل کیا ہے۔

لہذا یہاں اس روایت میں وہ مقبول ہے۔

نوٹ:

اشعثؒ کی روایت کی تائید امام زہریؒ (م۱۲۵ھ) کے ایک اور قول سے بھی ہوتی ہے، جس میں امام صاحبؒ نے اسی آیات سے امام کے پیچھے (خاص طور سے جہری نماز میں) قراءت نہ کرنے پر استدلال فرمایا ہے۔ **(تفسیر ابن جریر الطبری: ج۱۳: ص۳۵۰)**، لہذا معلوم ہوا کہ امام زہریؒ (م۱۲۵ھ) نے نزدیک یہ آیات قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس کا تذکرہ اشعث کی روایت میں ہے۔

لہذا متابعات کی صورت میں اشعثؒ اور بھی معتبر ہو جاتے ہیں۔ نیز غالباً یہی وجہ ہے کہ ائمہ مفسرین، مثلاً، امام ابو اسحاق ثعلبیؒ (م۴۲۷ھ)، امام ابو الحسن الواحدی النیساپوریؒ (م۴۶۸ھ)، حافظ ابن جوزیؒ (م۵۹۷ھ)، وغیرہ نے امام زہریؒ (م۱۲۵ھ) کے اس قول کو بالجزم نقل کیا ہے۔ **(تفسیر ثعلبی: ج۴: ص۳۲۱، اسباب النزول: ص۲۳۳، زاد المسیر: ج۲: ص۱۸۳)**

پھر مجاہدؒ، محمد بن کعب القرظیؒ، ابو العالیہؒ کی بھی روایات ان کے شواہد میں موجود ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس روایت میں ان پر جرح باطل اور مردود ہے۔

(۵) امام محمد بن مسلم، ابو بکر الزہریؒ (م۱۲۵ھ) صحیحین کے راوی اور مشہور حافظ الحدیث اور فقیہ ہیں، جس کی عظمت اور شان پر سب کا اتفاق ہے۔ **(تقریب)**

لہذا یہ سند حسن مرسل ہے۔

عن أبي العالية, قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم "إذا صلى فقرأ أصحابه فنزلت {فاستمعوا له وأنصتوا} فسكت القوم وقرأ النبي صلى الله عليه وسلم۔

جب جب بھی رسول اللہ ﷺ نماز میں قراءت کرتے ،تو آپ ﷺ کے اصحابؓ بھی قراءت کرتے ،تو اس پر یہ آیات "**فاستمعوا له وأنصتوا**" نازل ہوئی، پھر اس کے بعد اصحاب خاموش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ قراءت فرماتے۔**(کتاب القراءۃ للبیہقی: ج ۱۰۷)**[4]

---

[4] امام بیہقیؒ (م **۴۵۸ھ**) فرماتے ہیں کہ

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ, أنا أبو علي الحسين بن علي الحافظ, نا أبو يعلى, نا المقدمي, نا عبد الوهاب, عن المهاجر, عن أبي العالية, قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم "إذا صلى فقرأ أصحابه فنزلت {فاستمعوا له وأنصتوا} فسكت القوم وقرأ النبي صلى الله عليه وسلم۔ (كتاب القراءة خلف الإمام للبيهقي: ص ۱۰۷، ت: محمد السعيد بن بسيوني زغلول، ط: دار الكتب العلمية–بيروت)

رواۃ کی تحقیق درج ذیل ہے:

(۱) امام ابو بکر البیہقیؒ (م **۴۵۸ھ**) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔**(کتاب الثقات للقاسم، تاریخ الاسلام للذہبی)**

(۲) امام ابو عبد اللہ الحاکم الصغیرؒ (م **۴۰۵ھ**) بھی مشہور ثقہ حافظ الحدیث اور المستدرک علی الصحیحین کے مصنف ہیں۔**(کتاب الثقات للقاسم: ج ۸: ص ۳۹۲)**

(۳) امام ابو علی حسین بن علی الحافظؒ (م **۳۴۹ھ**) بھی مشہور مضبوط، حافظ الحدیث اور صاحب **التصنیفات** ہیں۔**(سیر للذہبی: ج ۱۶: ص ۵۱)**

(۴) امام ابو یعلی الموصلیؒ (م **۳۰۷ھ**) بھی مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور صاحب مسند ہیں۔**(کتاب الثقات للقاسم: ج ۱: ص ۴۳۰)**

(۵) محمد بن ابو بکر، ابو عبد اللہ المقدمیؒ (م **۲۳۴ھ**) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔**(تقریب: رقم ۵۷۶۱)**

(۶) عبد الوھاب بن عبد المجید الثقفیؒ (م **۱۹۴ھ**) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔**(تقریب: رقم ۴۲۶۱)**

نوٹ:

عبد الوھابؒ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے، اور حافظ ذہبیؒ (م۷۴۸؁ھ) کہتے ہیں کہ **"قلت: لكن ما ضره تغيره، فإنه لم يحدث زمن التغير بشيء"** میں کہتا ہوں کہ عبد الوھابؒ کا مختلط ہونا نقصان دے نہیں ہے، اس لئے کہ انہوں نے حالت اختلاط میں کوئی روایت بیان نہیں کی۔ **(سیر: ج۹: ص۲۳۹)**

(۷)　مجاھر بن مخلد، ابو مخلد سنن ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(التذييل على كتب الجرح والتعديل: ص۳۱۶)**

(۸)　رفیع بن مہران، ابو العالیہؒ (م۹۳؁ھ) مشہور کبار تابعی، امام، مفسر اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(سیر: ج۴: ص۲۰۷، تقریب: رقم ۱۹۵۳)**

معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام روات ثقہ اور سند صحیح مرسل ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ ابو العالیہؒ الریاحی کی مراسیل کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ریاحی کی حدیث ہوائی باتیں ہیں۔ نیز موصوف آگے امام بیہقیؒ سے بھی یہی نقل کرتے ہیں کہ ابو العالیہؒ ثقہ اور ضعیف ہر قسم کے راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ **(توضیح الکلام: ص: ۵۳۴، ۵۳۳)**

الجواب:

امام ابن سیرینؒ نے بھی کہا کہ ابو العالیہ الریاحیؒ روایت لینے میں پرواہ نہیں کرتے تھے کہ وہ اپنی حدیث کس سے لے رہے ہے۔ **(اتحاف النبیل: ج۲: ص۱۳۶)** لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام باتیں غیر صحیح ہے۔ وجوہات ملاحظہ فرمائے

اولاً　امام شافعیؒ (م۲۰۴؁ھ) کا قول " **حديث أبي العالية الرياحي رياح** " ارشاد الحق اثری صاحب نے میزان الاعتدال سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ جہاں سے موصوف نے نقل کیا، اسی کتاب میزان الاعتدال میں اگلی سطر میں حافظ ذہبیؒ (م۷۴۸؁ھ) نے صراحت کی، کہ "**فإنما أراد به حديثه الذي أرسله في القهقهة فقط ومذهب الشافعي أن المراسيل ليست بحجة، فأما إذا أسند أبو العالية فحجة**" امام شافعیؒ نے اس سے صرف نماز میں قہقہہ کے مسئلہ میں وارد شدہ ابو العالیہؒ کی مرسل مراد لی ہے، اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مراسیل حجت نہیں ہے، جب ابو العالیہ کسی روایت کو مسند (یعنی متصل) بیان کریں تو وہ روایت ان کے نزدیک حجت ہے۔ **(میزان الاعتدال: ج۲: ص۵۴)**

اس صراحت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ (م۲۰۴؁ھ) کا قول " **حديث أبي العالية الرياحي رياح** " صرف نماز میں قہقہہ کے مسئلہ میں موجود ابو العالیہؒ کی مرسل روایت کے بارے میں ہی تھا۔ لیکن اثری صاحب نے حافظ ذہبیؒ کی تشریح کو چھپا کر اس قول کو علی الاطلاق بتانے کی کوشش کی۔ (اللہ ان کی غلطی کو معاف فرمائے)

اسی طرح " **ومذهب الشافعي أن المراسيل ليست بحجة، فأما إذا أسند أبو العالية فحجة** " کی عبارت سے امام ذہبیؒ نے امام شافعیؒ کا مسلک اور مذہب بیان کی کہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مراسیل حجت نہیں ہے، جب ابو العالیہ کسی روایت کو مسند (یعنی متصل) بیان کریں تو وہ روایت امام شافعیؒ کے نزدیک حجت ہے۔ **(میزان الاعتدال: ج۲: ص۵۴)**

لیکن غیر مقلدین کے محدث یحیی گوندلوی صاحب نے صرف عبارت " **فأما إذا أسند أبو العالية فحجة** " نقل کر کے اس عبارت کو امام ذہبیؒ کا اپنے قول بتانے، بلکہ علی الاطلاق قول ثابت کرنے کی کوشش کی اور مرسل بیان کرنے کی صورت میں علی الاطلاق ابو العالیہؒ کا عدم حجت ہونا بیان کیا ہے۔ **(خیر الکلام: ص۲۵۲)**

حالانکہ قارئین ! آپ نے دیکھا کہ حافظ ذہبیؒ نے یہاں پر اپنا یا علی الاطلاق قول نہیں بلکہ امام شافعیؒ کا مسلک و مذہب بیان کیا ہے۔ (اللہ ان کی غلطی کو معاف فرمائے)

نیز حافظ ذہبیؒ کی طرح، حافظ ابن حجرؒ **(م۸۵۲؁ھ)** امام شافعیؒ **(م۲۰۴؁ھ)** کا قول " **حديث أبي العالية الرياحي رياح** " کے بارے میں کہتے ہیں کہ " **يعني في القهقهة** " امام شافعیؒ کا قول نماز میں قہقہہ لگانے کے مسئلہ میں وارد شدہ ابو العالیہ کی حدیث کے بارے میں ہے۔ **(تحفة اللبيب بمن تكلم فيهم الحافظ ابن حجر من الرواة في غير التقريب: ج۱: ص۳۸۵)**، حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ " **يشير إلى هذا المرسل** " امام شافعیؒ نے اپنے قول سے اس قہقہہ والی ابو العالیہؒ کی مرسل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **(شرح علل ترمذی: ج۱: ص۵۵۱)**، امام ابو حاتمؒ **(م۲۷۷؁ھ)** فرماتے ہیں کہ " **يَعْنِي: مَا يُرْوَى فِي الضَّحِكِ فِي الصَّلَاةِ** " یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک ابو العالیہ کی وہ حدیث ہوائی بات ہے جو نماز میں قہقہہ لگانے کے مسئلہ میں ان ہونے روایت کی ہے۔ **(سیر: ج۴: ص۲۱۲)**، امام ابن عدیؒ **(م۳۶۵؁ھ)** کہتے ہیں کہ " **عني الشَّافِعِي بذلك حَدِيثه فِي الضحك فِي الصَّلَاة** " امام شافعیؒ نے اپنے قول سے ابو العالیہؒ کی نماز میں قہقہہ لگانے کے مسئلہ میں موجود حدیث مراد لی ہے اور آگے ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ ان کی باقی ساری حدیثیں مستقیم اور صالح ہیں۔ **(فتح الباری لابن حجر: ج۱: ص۴۰۲، الکامل: ج۴: ص۱۰۵، الضعفاء لابن الجوزی: ج۱: ص۲۸۵)**، امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ **(م۴۰۵؁ھ)** کہتے ہیں کہ " **إنما أراد الشافعي بقوله: حديث أبي العالية الرياحي رياح: حديثه في القهقهة وحده** " امام شافعیؒ نے اپنے قول سے تنہا ابو العالیہؒ کی نماز میں قہقہہ لگانے کے مسئلہ میں موجود حدیث مراد لی ہے۔ **(مناقب الشافعی للبیہقی: ج۱: ص۵۴۳)**

لہٰذا ان تمام ائمہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کا قول "**حديث أبي العالية الرياحي رياح**" صرف اور صرف نماز میں قہقہہ کے مسئلہ میں موجود ابو العالیہؒ کی مرسل روایت کے بارے میں ہی تھا اور ان کی باقی احادیث (جس میں یہ تفسیری روایت بھی میں شامل ہے) مستقیم (صحیح) اور صالح ہیں۔ واللہ اعلم

نوٹ:

نماز میں قہقہہ لگانے کے سلسلے میں ابو العالیہ الریاحیؒ کی روایت مرسل نہیں، مسند ہے۔ چنانچہ امام ابو الحسن دارقطنیؒ (م۳۸۵ھ) نے ثقہ، ثبت راوی حافظ خالد بن عبد اللہ الوسطیؒ (م۱۸۲ھ) کے طریق سے ایک روایت نقل کی، جس میں ابو العالیہؒ نے "**انصار**" کے ایک آدمی سے روایت کی ہے۔ (**سنن الدارقطنی: ج۱: ص۳۱۱**) اور طبرانی نے ثقہ، حافظ اور امام مہدی بن میمونؒ (م۱۷۲ھ) کی طریق سے اس انصاری کا نام ابو موسی اشعریؓ ذکر کیا ہے۔ (**الاجماع: شمارہ ۶: ص۶**)، لہٰذا یہ روایت مسند اور مقبول ہے۔ اور امام دار قطنیؒ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

دوم امام ابو بکر البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کے قول کی بنیاد، امام محمد بن سیرینؒ (م۱۱۰ھ) کے قول پر ہے۔ چنانچہ خود امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کہتے ہیں کہ "**مراسيل أبي العالية ليست بشيء كان لا يبالي عمن أخذ حديثه كذا قال محمد بن سيرين**" ابو العالیہؒ کی مراسیل کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتے تھے کہ وہ اپنی حدیث کس سے لے رہے ہیں۔ اسی طرح محمد بن سیرینؒ نے کہا۔ (**سنن کبری للبیہقی: ج۱: ص۲۲۶، حدیث نمبر ۶۷۹**)

لیکن تحقیق کے میزان میں ابن سیرینؒ (م۱۱۰ھ) کا یہ قول انصاف پر مبنی نہیں ہے، جس کی تفصیل آرہی ہے۔ لہٰذا امام ابو بکر البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کا قول صحیح نہیں ہے۔

سوم ابن سیرینؒ (م۱۱۰ھ) کا یہ کہنا کہ ابو العالیہ الریاحیؒ روایت لینے میں پرواہ نہیں کرتے تھے کہ وہ اپنی حدیث کس سے لے رہے ہے۔ (**اتحاف النبیل: ج۲: ص۱۳۶**)، غیر صحیح ہے۔ کیونکہ

- خود امام ابو العالیہؒ (م۹۳ھ) کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں ایک آدمی کے بارے میں سنتا کہ وہ صاحب علم ہے تو میں چند دن سفر کرکے جاتا، تا کہ اس سے روایت اور علم کا سماع کروں، لیکن میں سب سے پہلے اس کی نماز کو پرکھتا، اگر اس کی نماز اچھی ہوتی، تب میں اس سے روایت اور علم کا سوال کرتا، ورنہ بغیر کچھ سنے میں لوٹ کر واپس آجاتا، اور میں کہتا کہ "**هو لما سواها أضيع**"۔ (**تاریخ الاسلام: ج۲: ص۱۲۰۳، الکامل: ج۴: ص۹۴**، واسنادہ حسن)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام ابو العالیہؒ (م۹۳ھ) علم اور روایت لینے میں چھان بین اور غور فکر کرتے تھے۔

(۵) ایک اور مشہور کبار تابعی امام، مفسر اور عالم بالقران، محمد بن کعب القرظیؒ (م۱۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ

عن محمد بن كعب, قال: "كانوا يتلقون من رسول الله صلى الله عليه وسلم, إذا قرأ شيئا قرأوا معه حتى نزلت هذه الآية التي في الأعراف {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}

- دوسری روایت جس کو حافظ ذہبیؒ نے ذکر کیا ہے اس میں ابو العالیہؒ لوگوں سے کہتے ہیں کہ " **أنتم أكثر صلاة وصياما ممن كان قبلكم، ولكن الكذب قد جرى على ألسنتكم** " تم لوگ پہلے لوگوں سے زیادہ نماز اور روزے زیادہ رکھتے ہو، لیکن تمہاری زبانوں پر جھوٹ جاری رہتا ہے۔ **(تاریخ الاسلام : ج۲: ص ۱۲۰۴، علل احمد بروایت عبد اللہ : رقم ۳۶۱)**

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ ابو العالیہؒ لوگوں کے باتوں کی تحقیق کرنے والے تھے۔تب ہی تو وہ کہہ رہے کہ لوگوں کی زبانوں پر جھوٹ جاری ہے۔

- ابو العالیہؒ کی چھانبین کی ایک مثال، ابن سعدؒ کی وہ روایت ہے جس میں ابو العالیہؒ کہتے ہیں کہ " **كنا نسمع الرواية بالبصرة عن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فلم نرض حتى ركبنا إلى المدينة فسمعناها من أفواههم** " ہم بصرہ میں اصحاب رسول ﷺ کے حوالہ سے روایت سنتے تھے، لیکن ہم مطمئن نہیں ہوتے، یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچ کر ان ہی روایت کو اصحاب رسول ﷺ کی زبانوں سے سن نہ لیتے۔ **(طبقات ابن سعد : ج۷: ص ۸۰، طبع دار الکتب علمیہ)**

نیز اگر امام ابو العالیہؒ ثقہ اور ضعیف ہر قسم کے راویوں سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد الحق اثری اور دیگر علماء کا بیان ہے۔تو پھر ان کے شیوخ میں ضعیف اور کمزور راوی ہونے چاہئے، مگر جتنے رواۃ سے ابو العالیہؒ نے روایت لی ہے وہ تمام کے تمام ہماری علم کے مطابق ثقہ یا صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ **(تہذیب الکمال : ج۹: ص ۲۱۵)**

اس لحاظ سے بھی ابو العالیہؒ کا غیر ثقہ سے روایت کرنا محال ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ ابن سیرینؒ کا یہ کہنا "کہ ابو العالیہ الریاحیؒ روایت لینے میں پرواہ نہیں کرتے تھے کہ وہ اپنی حدیث کس سے لے رہے ہیں" تحقیق بلکہ خود ابو العالیہؒ **(م۹۳ھ)** کے قول کی روشنی میں غیر صحیح ہے۔ اور راجح یہی ہے کہ وہ روایت لینے میں چھان بین کرتے اور ثقہ یا صدوق سے روایت لیتے تھے۔ واللہ اعلم

صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے تھے،جب رسول اللہ ﷺ قراءت کرتے، تو آپ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ بھی قراءت کرتے تھے، یہاں تک کہ سورہ اعراف کی یہ آیت **{وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}** نازل ہوئی۔

نیز ابو صخر الخراطؒ (م ۱۸۹ھ) کی روایت میں اضافہ ہے کہ محمد بن کعب القرظیؒ کہتے ہیں کہ **"فَقَرَأَ وَأَنْصِتُوا"** آیت کے نزول کے بعد صرف رسول اللہ ﷺ نے قراءت کی اور صحابہؓ خاموش ہو گئے۔ **(کتاب القراءۃ خلف الإمام للبیہقی: ص ۱۱۰، تفسیر ابن ابی حاتم: ج۵: ص ۱۶۴۵)**[5]

---

[5] امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ

أخبرنا أبو نصر عمر بن عبد العزيز بن عمر بن قتادة أنا أبو منصور العباس بن الفضل النضروي ,نا أحمد بن نجدة ,نا سعيد بن منصور ,نا أبو معشر ,عن محمد بن كعب ,قال: "كانوا يتلقون من رسول الله صلى الله عليه وسلم ,إذا قرأ شيئا قرأوا معه حتى نزلت هذه الآية التي في الأعراف {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}۔ (کتاب القراءۃ خلف الإمام للبیہقی: ص ۱۱۰)

سند کے روات کی تحقیق:

(۱) امام ابو بکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۲) عمر بن عبد العزیز بن قتادہ، ابو نصر الانصاری، النعمانیؒ ثقہ ہیں۔ **(السَّلْسَبِيلُ النَّقِي فِي تَرَاجِمِ شيوخ البَيهَقِي: ص ۵۱۳)**

(۳) عباس بن فضل، ابو منصور الھرویؒ (م ۳۷۲ھ) بھی ثقہ راوی ہے۔ **(تاریخ الاسلام: ج۸: ص ۳۷۴)**

(۴) محدث احمد بن نجدۃ، ابو الفضل الھرویؒ (م ۲۹۶ھ) ثقات میں سے ہیں۔ **(سیر اعلام النبلاء: ج۱۳: ص ۵۷۱)**

(۵) امام سعید بن منصورؒ (م ۲۲۷ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، حافظ الحدیث اور صاحب تصنیف ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۳۹۹، الکاشف)**

(۶) نجیح بن عبد الرحمٰن، ابو معشر المدنیؒ **(م ۱۷۰ھ)** ضعیف ہے۔ لیکن محمد بن کعب القرظیؒ سے روایت کرنے میں صالح اور درست ہیں۔ نیز امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ابو معشرؒ کی محمد بن کعب القرظی سے مروی تفسیری روایات مقبول ہیں۔ **(تہذیب الکمال: ج ۲۹: ص ۳۲۵)**

لہذا اس روایت میں ابو معشر المدنیؒ **(م ۱۷۰ھ)** مقبول اور حسن الحدیث ہیں۔

نوٹ:

ابو معشر المدنیؒ **(م ۱۷۰ھ)** آخری عمر میں مختلط ہوگئے تھے، لیکن ان کے متابع میں [صدوق، حسن الحدیث] ابو صخر الخراطؒ **(م ۱۸۹ھ)** صحیح مسلم اور سنن اربع کے راوی موجود ہے۔ **(تفسیر ابن ابی حاتم: ج ۵: ص ۱۶۴۵، تفسیر من جامع ابن وھب: ج ۲: ص ۵۹)** لہذا اس روایت میں ابو معشر المدنیؒ **(م ۱۷۰ھ)** پر مختلط ہونے کا الزام باطل اور مردود ہے۔

(۷) محمد بن کعب القرظیؒ **(م ۱۰۸ھ)** مشہور کبار تابعی، ثقہ، امام، مفسر اور عالم بالقران ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۲۵۷، الکاشف، سیر، تہذیب الاسماء و اللغات للنووی، نخب الافکار للعینی: ج ۱۰: ص ۴۶۱)**

معلوم ہوا کہ یہ سند حسن مرسل ہے۔

ایک وضاحت:

تہذیب الکمال میں موجود امام محمد بن کعب القرظیؒ **(م ۱۰۸ھ)** کے شیوخ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد بن کعب القرظیؒ ثقہ یا صدوق سے روایت لیتے ہیں۔ کیونکہ تہذیب الکمال میں موجود ان کے شیوخ میں سے کوئی بھی شیخ ضعیف نہیں ہے۔ **(تہذیب الکمال: ج ۲۶: ص ۳۴۱، طبقات ابن سعد: ج ۴: ص ۷۰، طبع دار الکتب العلمۃ)**

مرسل معتضد کی بحث:

اور ہم نے ثابت کیا کہ کبار تابعی ابو العالیہؒ **(م ۹۳ھ)** عادتاً ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان کی تائید میں محمد بن کعب القرظیؒ **(م ۱۰۸ھ)** کی مرسل روایت بھی موجود ہے۔ اور محمد بن کعبؒ بھی عادتاً ثقہ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ گزر چکا۔ اور پھر زہریؒ **(م ۱۲۵ھ)** کی بھی مرسل روایت موجود ہے۔ ان حضرات کی تائید میں صحابہؓ کے فتوے اور جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ (جس کی تفصیل انشاء اللہ آنے والے شماروں میں آئے گی)، لہذا امام شافعیؒ اور ائمہ عظامؒ کے اصول کی روشنی میں ابو العالیہؒ، محمد بن کعب القرظیؒ اور زہریؒ کی مرسل روایات اس مسئلہ میں مقبول ہیں۔ (دیکھئے **مجلہ الاجماع: ش ۱۲: ص ۱**)

نیز امام مجاہدؒ کی روایت جو کہ درایتاً متصل اور ابن عباسؓ سے مروی ثابت شدہ روایت بھی موجود ہے جن سے ابوالعالیہؒ، محمد بن کعب القرظیؒ اور زہریؒ کی اس مسئلہ میں موجود مرسل روایات کا صحیح، ثبت اور حجت ہونا واضح ہے۔ نیز امام شافعیؒ اور ائمہ عظامؒ کے اصول کے مطابق بھی ابو العالیہؒ، محمد بن کعب القرظیؒ اور زہریؒ کی اس مسئلہ میں موجود مرسل روایات صحیح اور حجت ہیں۔

اہل حدیث حضرات کے نزدیک مرسل معتضد حجت ہے۔**(الاجماع : ش۱: ص ۶۵)**، مگر ارشاد الحق اثری صاحب اور دیگر علماء اس پر چند اعتراضات کئے ہیں، جو مع جواب ملاحظہ فرمائے۔

اعتراض نمبر۱ :

یحیی گوندلوی صاحب کہتے ہیں کہ مرسل معتضد اس وقت حجت ہوتی ہے، جب تابعی کی عادت ہو کہ جب چھوڑے تو ثقہ چھوڑے۔ مگر ابو العالیہ کے متعلق ثابت نہیں، اس کے بعد موصوف نے حافظ ذہبیؒ کی عبارت نقل کی۔**(خیر الکلام : ص۲۵۹)**

الجواب نمبر۱ :

ابو العالیہؒ کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ وہ غیر ثقہ سے ارسال کرتے تھے، راجح یہی ہے کہ وہ روایت لینے میں چھان بین کرتے اور ثقہ یا صدوق سے روایت لیتے تھے۔ واللہ اعلم (دیکھئے **ص:۱۳**)

الجواب نمبر۲ :

اگر بالفرض ابو العالیہؒ غیر ثقہ سے ارسال کرتے تھے، تب بھی ابن عباسؓ کی **متصل** روایت کی وجہ سے ابو العالیہؒ کی مرسل روایت امام شافعیؒ اور ائمہ عظامؒ کے اصول کی روشنی میں مقبول اور حجت ہے۔ دیکھئے **مجلہ الاجماع : ش ۱۲: ص ۱-۱۱** وغیرہ۔

اعتراض نمبر۲ :

ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ بلاشبہ مرسل معتضد حجت ہیں، مگر اسی وقت جب کہ وہ صحیح روایات کے خلاف نہ ہو۔

الجواب:

(٦) امام المفسرین، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (م۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ

اولاً ہمارے علم کے مطابق اثری صاحب نے یہ شرط امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) سے لی ہے کیونکہ انہوں نے یہ شرط اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔(**کتاب القراءت للبیہقی : ص ۲۰۱**)، اور یہاں مرسل صحیح حدیث کے خلاف نہ ہو، سے امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کی مراد یہ ہے کہ ثقہ مرسِل اپنی روایت میں اوثق راوی کی روایت کے الفاظ کی مخالفت نہ کرتا ہو۔کیونکہ امام بیہقیؒ جگہ جگہ امام شافعیؒ کے آثار سے استدلال کیا ہے اور امام شافعیؒ کے آثار میں اس کی صراحت موجود ہے کہ " **يكون إذا شرك أحدا من الحفاظ في حديث لم يخالفه ,فإن خالفه وجد حديثه أنقص كانت في هذه دلائل على صحة مخرج حديثه ومتى خالف ما وصفت أضر بحديثه حتى لا يسع أحدا منهم قبول مرسله** "۔(**معرفۃ السنن والآثار: ج۱: ص ۱۶۲**) نیز امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں شرائط کتاب المدخل کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔(**کتاب القراءت للبیہقی : ص ۲۰۱**)، اور کتاب المدخل میں بھی وہی بات ہے جو ہم نے کتاب المعرفۃ کے حوالے سے ذکر کی ہے۔ (**کتاب المدخل للبیہقی : ج۱: ص ۳۷۴،ت محمد عوامہ**)،لہذا یہاں پر شرط صحیح حدیث سے مراد شاذ والی بات ہے،جس کا ابو العالیہؒ والی روایت سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے۔کیونکہ ابو العالیہؒ نے اپنی روایت کے الفاظ کو بیان کرنے میں کسی بھی اوثق راوی کی مخالفت نہیں کی۔

دوم اگر ارشاد الحق اثری صاحب کو اصرار ہے کہ یہاں پر صحیح حدیث سے مراد اس مسئلے میں موجود دوسری صحیح متصل روایات ہے تو عرض ہے کہ اثری صاحب کے اس مفہوم کی تردید ،امام نوویؒ (م۶۷۶ھ) کے کلام سے ہوتی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ " **فإن صح مخرج المرسل بمجيئه من وجه آخر مسندا أو مرسلا أرسله من أخذ عن غير رجال الأول كان صحيحا، ويتبين بذلك صحة المرسل وأنهما صحيحان لو عارضهما صحيح من طريق رجحناهما عليه إذا تعذر الجمع** " لہذا اگر حدیث مرسل کا مخرج صحیح ثابت ہو جائے،دوسری طریق سے وہ حدیث اس طور پر مسند یا مرسل آجائے کہ اسے ایسے شخص نے ارسال کیا ہو جس نے پہلی مرسل حدیث کے رجال سے حدیث نہ لی ہو،تو یہ صحیح ہو جائے گی اور اسی کے ساتھ مرسل کی صحت واضح ہو جائے گی اور یہ دونوں مرسل صحیح ہوں گی اور ان دونوں کے مقابلے میں کوئی حدیث صحیح ایک سند سے آجائے اور ان جمع و تطبیق متعذر ہو،تو ہم ان دونوں مرسل حدیثوں کو اس صحیح حدیث پر ترجیح دیں گے۔(**التقریب للنووی: ص ۳۵**)،

لہذا راجح بات وہی ہے جو ہم نے (اولاً کے تحت) ذکر کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ محدثین کے اصول کی روشنی میں بھی یہ مرسل روایات مقبول ، صحیح اور حجت ہیں۔ان کا انکار محض اصول محدثین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

عن عبد الله بن عباس, "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في الصلاة فقرأ أصحابه وراءه فخلطوا عليه فنزل {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا} فهذه في المكتوبة، ثم قال ابن عباس: وإن كنا لا نستمع لمن يقرأ إنا إذا لأجفى من الحمير

رسول اللہ ﷺ نے نماز میں قراءت کی، تو آپ ﷺ کے پیچھے ، اصحابؓ نے بھی قراءت کی، تو آپ ﷺ پر قراءت مختلط ہوگئی تو یہ آیات نازل ہوئی، تو یہ فرض نماز کے بارے میں ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔(**القراءۃ خلف الامام للبیہقی : ص ۱۰۹، تفسیر ابن جریر الطبری : ج۱۳: ص ۳۵۰، الاعتبار للحازمی : ص۹۸**)[6]

---

[6] امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن عبدان أنا أحمد بن عبيد الصفار, نا عبيد بن شريك, نا ابن أبي مريم, نا ابن لهيعة, عن عبد الله بن هبيرة, عن عبد الله بن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في الصلاة فقرأ أصحابه وراءه فخلطوا عليه فنزل {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا} فهذه في المكتوبة، ثم قال ابن عباس: وإن كنا لا نستمع لمن يقرأ إنا إذا لأجفى من الحمير۔ (القراءۃ خلف الامام للبیہقی: ص۱۰۹)

سند کے راویوں کی تحقیق :

(۱) امام ابو بکر البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۲) ابو الحسن، علی بن احمد بن عبدانؒ ثقہ ہیں۔(**تاریخ الاسلام: ج۹: ص۲۵۷**)

(۳) احمد بن عبید، ابو الحسن الصفارؒ بھی ثقہ اور مضبوط راوی ہیں۔(**کتاب الثقات للقاسم: ج۱: ص۴۰۸**)

(۴) عبید بن احمد بن شریک، ابو محمد بغدادیؒ (م۲۸۵ھ) بھی صدوق، محدث اور رحال ہیں۔(**تاریخ الاسلام: ج۶: ص۷۷۷، کتاب الثقات للقاسم: ج۷: ص۵۰**)

(۵) سعید بن ابی مریم، ابو محمد المصریؒ (م۲۲۴ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ اور مضبوط فقیہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۲۲۸۶**)

(۶)　　عبد اللہ بن **لھیعة** المصریؒ **(م۱۷۴؁ھ)** صحیح مسلم، سنن ابو داود اور سنن ابن ماجہ کے راوی اور صدوق ہیں اور وہ کتابوں کے جلنے کے بعد مختلط ہو گئے تھے۔ جن لوگوں نے ان سے ان کے کتاب جلنے سے پہلے روایت کی مثلاً ابن مبارک، ابن وھب وغیرہ، ان کا سماع مضبوط اور سند صحیح ہے۔ **(تقریب: رقم ۳۵۶۳، سیر: ج۸: ص ۱۱، الکواکب النیرات: ص ۴۸۱، اکمال تہذیب الکمال: ج۸: ص ۱۴۴)**

اور اس روایت کو ان سے ابو محمد، سعید بن ابی مریم مصریؒ **(م۲۲۴؁ھ)** نے روایت کیا ہے۔ اور ان کا سماع ابن لھیعہؒ سے ان کے کتب کے جلنے سے پہلے کا ہے۔ **(اکمال تہذیب الکمال: ج۸: ص ۱۴۵)**

لہذا اس روایت میں ابن لھیعہؒ **(م۱۷۴؁ھ)** صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔

نوٹ نمبر ۱:

ابو محمد، سعید بن ابی مریم المصریؒ **(م۲۲۴؁ھ)** کے علاوہ، ابن لھیعہؒ **(م۱۷۴؁ھ)**، سے یہ روایت عبد اللہ بن مبارکؒ **(م۱۸۱؁ھ)** اور بشر بن عمر الازدیؒ **(م۲۰۹؁ھ)** وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔ **(تفسیر ابن جریر الطبری: ج۱۳: ص ۳۵۰، الاعتبار للحازمی: ص ۹۸)**

تفسیر ابن جریر کی سند یوں ہے کہ:

حدثني المثنى قال: حدثنا سويد قال: أخبرنا ابن المبارك، عن ابن لهيعة، عن ابن هبيرة، عن ابن عباس أنه كان يقول في هذه: (واذكر ربك في نفسك تضرعًا وخيفة)، هذا في المكتوبة. وأما ما كان من قصص أو قراءة بعد ذلك، فإنما هي نافلة. إن نبي الله صلى الله عليه وسلم قرأ في صلاة مكتوبة، وقرأ وراءه أصحابه، فخلّطوا عليه قال: فنزل القرآن: (وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون)، فهذا في المكتوبة۔ (تفسیر ابن جریر الطبری: ج۱۳: ص ۳۵۰)

سند کی مختصر تحقیق:

مصنف کتاب امام ابن جریر الطبریؒ **(م۳۱۰؁ھ)** مشہور مفسر، محدث، فقیہ اور ثقہ حافظ الحدیث ہیں۔ **(تاریخ الاسلام للذہبی، کتاب الثقات للقاسم)**، المثنی سے مراد المثنی بن ابراھیم الطبری الآملی ہے۔ اور حافظ ابن کثیرؒ **(م۷۷۴؁ھ)** نے ان کو ضمناً ثقہ قرار دیا ہے۔ **(معجم الشیوخ للطبری: ص ۴۳۵، ۴۲۰، معجم الصغیر لرواۃ الامام ابن جریر الطبری: ج۲: ص ۴۸۳)**، لہذا آپؒ صدوق ہیں۔ تیسرے راوی سوید بن نصرؒ بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۶۹۹)**، خلاصہ یہ کہ یہ روایت ابن مبارک عن ابن **لھیعة** سے بھی مروی ہے۔

نوٹ نمبر ۲:

اس روایت میں ابن **لهيعة** ؒ پر تدلیس کا الزام بھی مردود ہے۔ کیونکہ ابن عباس ؓ کے ۳، ۳ شاگرد (مجاہدؒ، ابو العالیہؒ اور محمد بن کعب القرظیؒ) نے یہی روایت ابن **لهيعة** ؒ سے بہت پہلے مرسلاً بیان کی ہے۔ لہذا ابن **لهيعة** ؒ کی متصل روایت کی اصل معلوم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان پر تدلیس کا الزام باطل و مردود ہے۔

اور شیخ الالبانیؒ کے نزدیک ابن **لهيعة** ؒ سے جب عبادلہ (ابن مبارک، ابن وہب، مقری وغیرہ) روایت کریں، تو ابن **لهيعة** ؒ کی روایت مقبول ہوتی ہے، اگر چہ اس روایت میں ان کا 'عنعنہ' موجود ہو۔ کیونکہ شیخ الالبانیؒ کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ بھی ایسا اہی کرتے تھے۔ **(اتحاف النبیل: ج۱: ص۱۵۸)**، نیز حافظ عبد الغنی بن سعید المصریؒ **(م۴۰۹ھ)** بھی کہتے ہیں کہ " **إذا روى العبادلة ابن وهب و ابن المبارك و المقرئ عن ابن لهيعة فهو سند صحيح**" جب عبادلہ ابن **لهيعة** ؒ سے روایت کرے تو وہ روایت سنداً صحیح ہوتی ہے۔ **(اکمال تہذیب الکمال: ج۸: ص۱۴۴)**

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں ابن **لهيعة** ؒ پر تدلیس کا الزام بھی مردود ہے۔

غیر مقلدین کے لئے ایک لمحہ فکریہ:

مکحولؒ کے سلسلے میں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابن حبانؒ اور ذہبیؒ ارسال خفی کو تدلیس کہتے ہیں جیسا کہ زبیر علی زئی اور ارشاد الحق اثری صاحب کا کہنا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مکحول مدلس نہیں ہے۔ **(مسئلہ فاتحہ خلف الامام: ص۶۳، توضیح الاکلام: ۳۱۴، ۳۱۲)** یحیی گوندلوی صاحب کا بھی یہی نظریہ ہے۔ **(خیر الکلام: ص۱۶۷)**

تو عرض ہے کہ عبد اللہ بن **لهيعة** المصریؒ **(م۱۷۴ھ)** پر بھی متقدمین میں سے کسی نے تدلیس کا الزام نہیں لگایا، سوائے ابن حبانؒ کے، جیسا کہ شیخ محمد بن عمرو نے کا کہنا ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ موصوف نے عبد اللہ بن **لهيعة** المصریؒ **(م۱۷۴ھ)** کو تدلیس سے بری قرار دیا ہے اور ان کے شاگر ابو محمد عصام بن مرعی اور شیخ محمد بن طالعت نے ان کی تائید فرمائی ہے۔ **(النکت الوفیعة: ص۲۷، معجم المدلسین لابن طالعت: ص۲۷۸)**

امید ہے کہ غیر مقلدین بھی اپنے اصول کے مطابق عبد اللہ بن **لهيعة** المصریؒ **(م۱۷۴ھ)** کو تدلیس سے بری قرار دینگے۔

(۷) عبد اللہ بن هبیرۃ المصریؒ **(م۱۲۶ھ)** صحیح مسلم اور سنن اربع کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۶۷۸)**

(۸) عبد اللہ بن عباسؓ **(م۶۸ھ)** مشہور صحابی رسول ﷺ اور قرآن کے عظیم مفسر ہیں۔ **(تقریب، سیر)**

لہذا یہ سند حسن ہے۔

(۷) ابو عبد الرحمٰن، عبد اللہ بن مسعودؓ (م ۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ

عن عبد اللہ قال: لعلكم تقرون؟ قلنا: نعم قال: ألا تفقهون؟ ما لكم لا تعقلون؟ وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون

کیا تم لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو ؟ تو راوی نے کہا: ہاں، تو ابن مسعودؓ نے کہا: کیا تم لوگ سمجھتے اور عقل نہیں رکھتے، جب قرآن کی تلاوت ہو، تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (**تفسیر ابن ابی حاتم: ج۵: ص ۱۶۴۶**)[7]

نوٹ:

بعض علماء نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے اور کہا کہ عبد اللہ بن ھبیرۃ المصریؒ (م ۱۲۶ھ) نے ابن عباسؓ (م ۶۸ھ) کو نہیں پایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عبد اللہ بن ھبیرۃ المصریؒ (م ۱۲۶ھ) کی ولادت (م ۴۰ھ) میں ہوئی اور ابن عباسؓ کی وفات (م ۶۸ھ) میں یعنی ان کی وفات کے وقت عبد اللہ بن ھبیرۃ المصریؒ (م ۱۲۶ھ) کی عمر "۲۸" سال تھی، لہذا جب امکان لقاء کا قوی احتمال ہے، تو یہ بات، اس کے روایت کے متصل ہونے کے لئے کافی ہے۔ **کما قال مسلم وغیرہ**

نیز حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے عبد اللہ بن ھبیرۃ المصریؒ (م ۱۲۶ھ) کو حضرت ابو ہریرہؓ (م ۵۹ھ) کا شاگرد بتایا ہے۔ (**کتاب الثقات لابن حبان: ج۵: ص ۵۴**) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات (م ۵۹ھ) ہوئی ہے۔ (**تقریب**)،

لہذا جب ابن ھبیرۃ المصریؒ (۵۹ھ) میں وفات پانے والے صحابیؓ کے شاگرد ہے۔ تو وہ (۶۸ھ) میں وفات پانے والے ابن عباسؓ کے شاگرد کیوں کر نہیں ہو سکتے ؟؟

لہذا یہ سند متصل ہے۔

[7] امام ابن ابی حاتمؒ (م ۳۲۷ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا أبو سعيد الأشج، ثنا ابن فضيل، وأبو خالد، عن داود بن أبي هند، عن أبي نضرة، عن أسير بن جابر المحاربي، عن عبد الله، قال: "لعلكم تقرون؟ قلنا نعم، قال: ألا تفقهون؟ ما لكم لا تعقلون؟ {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون}۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ج۵: ص ۱۶۴۶)

سند کے رواۃ کی تحقیق:

(۱)　امام عبد الرحمٰن ابن ابی حاتمؒ (م۳۲۷؁ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۲)　امام ابو سعید **الاشج**ؒ (م۲۵۷؁ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۳۵۴)**

(۳)　ابن فضیل سے مراد صحیحین کے صدوق راوی محمد بن فضیل **الضبی**ؒ (م۱۹۵؁ھ) ہے، اور ان کے متابع میں صدوق امام ابو خالد الاحمرؒ (م۱۹۱؁ھ) ہے، جن کی توثیق گزر چکی۔

(۴)　داود بن ابی ہندؒ (م۱۴۰؁ھ) صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ، متقن ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۸۱۷)**

(۵)　ابو نضرۃ، منذر بن مالک بصریؒ (م۱۰۹؁ھ) بھی صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۸۹۰)**

(۶)　اسیر بن جابر المحاربیؒ (م۸۵؁ھ) صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۸۰۸)**

(۷)　عبد اللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اثری صاحب مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ کے حوالہ سے داود بن ابی ہندؒ کو کثیر الاضطراب کہتے ہیں۔ حالانکہ داود بن ابی ہندؒ (م۱۴۰؁ھ) کو **"کثیر الاضطراب"** کہنا درست نہیں۔ کیونکہ تہذیب التہذیب میں یہ قول بلا سند ہے۔ اور ایسے بلا سند اقوال غیر مقلدین کے نزدیک باطل اور مردود ہوتے ہے۔ نیز اثری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ روایت داود کے اضطراب کی بنا پر ضعیف ہے۔ کیونکہ داود کی یہی روایت کتاب القراءت للبیہقی میں موجود ہے اور اس کی سند **"داود عن ابی نضرۃ عن رجل عن عبد اللہ"** میں رجل کا اضافہ ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۵۲۱)** لیکن اضطراب کی وجہ سے روایت اس وقت ضعیف ہوتی ہے جب کہ اضطراب پایا جائے اور ترجیح کی صورت نہ پائی جائے۔ (**دیکھئے مسنون رکعات تراویح: ص ۵۷**، از کفایت اللہ سنابلی)، اور یہاں پر اضطراب کو دفع کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن داود بن ابی ہندؒ کو یہ روایت دونوں طریق سے ملی ہو، کیونکہ نہ داود بن ابی ہند مدلس ہیں اور نہ ہی ابو نضرۃ، منذر بن مالک بصریؒ (م۱۰۹؁ھ)۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ شیخ محمد بن اشرف الفائز نے اس روایت کو مضبوط قرار دیا ہے۔ **(التفسیر البسیط: ج۹: ص ۵۶۵)**، حافظ المغرب، امام ابن عبد البرؒ (م۴۶۳؁ھ) بھی اسے ابن مسعودؓ کا قول کہتے ہے۔ **(الاستذکار: ج۱: ص ۴۶۵)**، یعنی

(۸)　　ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ

عن عبد الله بن مسعود, قال في القراءة خلف الإمام: «أنصت للقرآن كما أمرت؛ فإن في القراءة لشغلا وسيكفيك ذلك الإمام

قراءت سننے کے لئے خاموش رہو، جیساکہ حکم دیاگیا ہے، کیوں کہ قراءت میں شغل ہے۔امام کا پڑھنا ہی تمھیں کافی ہے۔(**القراءۃ خلف الامام:۱۰۹، مصنف عبد الرزاق: رقم ۲۸۰۳**)[8]

(۹)　　ایک حدیث میں آیا ہے کہ

أن ابن مسعود كان لا يقرأ خلف الإمام وكان إبراهيم يأخذ به

ابن مسعودؓ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے، راوی حدیث(غالباً امام حمادؒ) کہتے ہیں کہ امام ابراھیم النخعیؒ کا بھی یہی مسلک تھا۔(**معجم الکبیر للطبرانی: ج۹: ص ۲۶۴، حدیث نمبر ۹۳۱۳**)[9]

حافظ المغربؒ کے نزدیک بھی اس روایت میں داود بن ابی ہندؒ پر اضطراب کی جرح مردود ہے۔ لہذا اثری صاحب کا اعتراض باطل ہے۔

[8] الحافظ الکبیر، امام عبد الرزاق الصنعانیؒ (م ۲۱۱؁ھ) کہتے ہیں کہ

عن منصور، عن أبي وائل قال: جاء رجل إلى عبد الله فقال: يا أبا عبد الرحمن، أقرأ خلف الإمام؟ قال: أنصت للقرآن فإن في الصلاة شغلا، وسيكفيك ذلك الإمام ۔(مصنف عبد الرزاق: رقم ۲۸۰۳)

اس روایت تمام روات ثقہ اور مشہور ہیں۔لہذا یہ سند صحیح ہے۔ واللہ اعلم

[9] امام ابو القاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰؁ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا حجاج بن المنهال، ثنا حماد بن سلمة، عن حماد، عن إبراهيم، «أن ابن مسعود كان لا يقرأ خلف الإمام» وكان إبراهيم يأخذ به ۔(معجم الکبیر للطبرانی: ج۹: ص ۲۶۴، حدیث نمبر ۹۳۱۳)

سند کے رواۃ کی تحقیق:

(۱)　امام ابو القاسم طبرانیؒ (م۳۶۰ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم)**

(۲)　ابو الحسن علی بن عبد العزیزؒ (م۲۸۷ھ) بھی ثقہ راوی ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج۷: ص۲۲۳، تاریخ الاسلام: ج۶: ص ۷۸۲)**

(۳)　حجاج بن منہالؒ (م۲۱۷ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، فاضل ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۱۳۷)**

(۴)　حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ)

نوٹ:

اس روایت میں حماد بن سلمہؒ پر اختلاط کا الزام مردود ہے۔ کیونکہ آپؒ کے متابع میں ثقہ، حافظ الحدیث امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ **(مسند ابی حنیفہ لابن خسرو: ج۱: ص۳۳۰، دیکھئے ص: ۲۸)**

(۵)　حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) اور

نوٹ:

اگر چہ حمادؒ بھی آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ لیکن ثقہ، حافظ الحدیث امام ابو حنیفہؒ نے ان سے ان کے اختلاط سے پہلے علم حاصل کیا تھا۔ **(دیکھئے ص: ۶۴)**

نیز حماد کے متابع میں منصورؒ بھی موجود ہے۔ **(دیکھئے ص: ۲۴)**

لہذا اس روایت میں آپؒ پر اختلاط کی جرح مردود ہے۔

(۶)　ابراھیم نخعیؒ (م۹۶ھ) وغیرہ مشہور ائمہ ثقات میں سے ہیں۔

وضاحت:

ابراھیم نخعی عن عبد اللہ کی روایات ائمہ اور علماء کے نزدیک قوی اور حجت ہیں۔ دیکھئے **الاجماع: ش۳: ص۲۵۱، ش۱۱: ص۱۔**

لہذا منقطع کا اعتراض بھی مردود ہے۔ بلکہ ائمہ کے اقوال سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ نیز یہ روایت متصل بھی وارد ہوئی ہے۔

(۱۰) اور ایک جگہ لکھا ہے کہ " **أن عبد الله بن مسعود كان لا يقرأ خلف الإمام فيما جهر فيه، وفيما يخافت فيه في الأوليين، ولا في الأخريين، وإذا صلى وحده قرأ في الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة، ولم يقرأ في الأخريين شيئا** " ابن مسعودؓ امام کے پیچھے نہ جہری نماز میں قراءت کرتے تھے اور نہ سری نماز میں، نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ پچھلی دو رکعتوں میں اور جب اکیلے نماز پڑھتے تھے تو پہلی دو رکعتوں میں ام القرآن اور کوئی دوسری سورت پڑھتے۔ **(موطا امام محمد: حدیث نمبر ۱۲۰)**[10]

---

[10] ثقہ، حافظ الحدیث، امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) کہتے ہیں کہ

أخبرنا محمد بن أبان بن صالح القرشي، عن حماد، عن إبراهيم النخعي، عن علقمة بن قيس، «أن عبد الله بن مسعود كان لا يقرأ خلف الإمام فيما جهر فيه، وفيما يخافت فيه في الأوليين، ولا في الأخريين، وإذا صلى وحده قرأ في الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة، ولم يقرأ في الأخريين شيئا۔ (موطا امام محمد: حدیث نمبر ۱۲۰)

اس روایت کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ مگر راوی محمد بن ابان بن صالح پر کلام ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ محمد بن ابان جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے۔ امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ ان کے احادیث مجازی طور پر لکھی جائے، مگر احتجاج نہ کیا جائے، ابن عدی کہتے ہیں کہ ضعف کے باوجود ان کی احادیث لکھی جائے۔ **(الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم: ج۷: ص۱۹۹، الکامل لابن عدی: ج۷: ص۲۹۸)** امام عبد الحق الاشبیلیؒ (م ۵۸۱ھ) کہتے ہیں کہ " **هذا يرويه محمد بن أبان بن صالح وكان من رؤساء المرجئة، فتكلم فيه من أجل ذلك، ومع ذلك يكتب حديثه** " اسے محمد بن ابان بن صالح روایت کرتے ہیں، وہ مرجئہ کے سرغنوں میں سے تھے، تو اسی وجہ سے ان پر کلام کیا گیا، اس کے باوجود ان کی حدیث لکھی جائے گی۔ **(الاحکام الوسطی: ج۴: ص ۳۵۱)**، امام عبد الحق الاشبیلیؒ **(م ۵۸۱ھ)** کی تائید کرتے ہوئے امام ابن قطان الفاسیؒ **(م ۶۲۳ھ)** کہتے ہیں کہ " **هَذَا مَا ذكر، وَهُوَ كَمَا قَالَ** "۔ **(بیان وھم لابن قطان: ج۳: ص۲۲۴)**

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ محمد بن ابان بن صالحؒ ضعیف ہے، لیکن متابعات کی صورت میں قابل ذکر ہے۔

اعتراض نمبر ۱:

مگر اثری صاحب کا کہنا ہے کہ ان علماء نے ان کے بارے میں "**لیس بثقۃ، لیس بشیی، لا یکتب حدیثہ**" جیسا کہ الفاظ کہے ہیں۔ جس کی روایت متابعات میں قابل استشہاد و اعتبار نہیں۔ **(توضیح الکلام: ص ۹۹۸)**۔

الجواب:

اثری صاحب یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جن ائمہ نے محمد بن ابانؒ کے بارے میں "**لیس بثقۃ، لیس بشیی، لا یکتب حدیثہ**" جیسا کہ الفاظ کہے ہیں، وہ تمام کے تمام ائمہ یعنی ابن معینؒ، نسائی اور ابن حبانؒ متشدد ہیں۔ جب کہ امام احمد بن حنبلؒ، ابن عدیؒ جیسا ائمہ جن کو خود اثری صاحب معتدل تسلیم کرتے ہے۔ **(مقالات ارشاد الحق الاثری : ج۴: ص ۱۵۹)** ان کو متابعات کی صورت میں مقبول مانا ہے۔ اور جرح و تعدیل میں تعارض کے وقت، اگر جرح متشددین کی طرف سے ہو، تو وہ رد کردی جاتی ہے، جیسا کہ غیر مقلد کفایت اللہ سنابلی صاحب کا کہنا ہے۔ **(انوار البدر : ص ۱۸۷)**، نیز امام ابوحاتمؒ، ابن قطان الفاسیؒ نے بھی باوجود متشدد ہونے کے ان کو متابعات میں قابل ذکر مانا ہے۔ اور متشددین جب توثیق کرتے ہیں تو ان کی توثیق بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ **(انوار البدر: ص۱۸۷)**، لہذا اثری صاحب کا اعتراض ہی فضول ہے۔

اعتراض نمبر ۲ :

اگے اثری صاحب کہتے ہیں کہ صفدر صاحب تنہا محمد بن ابان کو نہ دیکھیں، حماد کی بھی فکر کریں، الغرض موطا کا یہ اثر قطعاً ضعیف ہے۔ **(ایضاً)**

الجواب:

امام حماد بن ابی سلیمانؒ **(م ۱۲۰ھ)** ثقہ، امام، مجتہد، کریم، سخی ہیں۔ **(کاشف : رقم ۱۲۲۱)**، ان کا اخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ لیکن حماد سے روایت کرنے میں محمد بن ابانؒ منفرد نہیں، ثقہ، حافظ الحدیث امام ابو حنیفہؒ **(م ۱۵۰ھ)** ان کے متابع میں موجود ہے، جنہوں نے حمادؒ کے پاس ایک عرصہ گزار دیا۔ دیکھئے **(ص : ۶۴)**، لہذا حمادؒ پر اختلاط کی جرح مردود ہے۔ نیز حماد کے متابع میں منصورؒ بھی موجود ہے۔ **(دیکھئے ص :۲۴)** اور محمد بن ابانؒ کے ضعف کا قائل کون نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا وہ متابع کی صورت میں قابل ذکر ہے یا نہیں۔ حالانکہ ائمہ نے صراحت کی ہے کہ متابعات کی صورت میں ان کی روایت کو ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اور یہاں اس روایت میں ان کے متابع میں ثقہ، حافظ الحدیث امام ابو حنیفہؒ **(م ۱۵۰ھ)** وغیرہ کئی روات موجود ہیں۔ لہذا اس روایت میں محمد بن ابانؒ مقبول ہیں۔

(۱۱) مسند ابی حنیفہ لابن خسرو میں امام ابراھیم نخعیؒ **(م۹۶ھ)** کا ایک اور تفصیلی قول موجود ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ

"عن إبراهيم أن عبد الله بن مسعود لم يقرأ خلف الإمام لا في الركعتين الأوليين ولا في غيرهما، وقال: ما قرأ علقمة بن قيس خلف الإمام حرفاً قط فيما يجهر فيه بالقراءة ولا فيما لا يجهر فيه ولا قرأ في الركعتين الأخريين بأم الكتاب ولا غيرها خلف الإمام ولا أصحاب عبد الله جميعاً "

ابن مسعودؓ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ ہی اس کے علاوہ میں، اور ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ علقمہ بن قیس نے کبھی بھی سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ام القرآن یا کسی دوسری صورت کے ایک حرف کی بھی قراءت نہیں کی، اسی طرح نماز کے (پہلی) اورآخری رکعتوں میں بھی امام کے پیچھے کوئی قراءت نہیں کی۔اور اسی طرح عبد اللہ بن مسعودؓ کے تمام اصحاب سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ام القرآن یا کسی دوسری صورت کے ایک حرف کی بھی قراءت نہیں کرتے تھے۔**(مسند ابی حنیفہ لابن خسرو: ج۱: ص۳۳۰)**[11]

---

[11] ثقہ، حافظ الحدیث، امام ابوعبد اللہ ابن خسروؒ **(م۵۲۲ھ)** کہتے ہیں کہ

أخبرنا الشيخ أبو الحسين المبارك بن عبد الجبار قراءة قال: أخبرنا أبو منصور محمد بن محمد بن عثمان السواق قال: حدثنا أبو بكر أحمد بن جعفر بن حمدان قال: حدثنا بشر بن موسى قال: حدثنا أبو عبد الرحمن عبد الله بن يزيد المقرئ قال: حدثنا أبو حنيفة، عن حماد، عن إبراهيم أن عبد الله بن مسعود لم يقرأ خلف الإمام لا في الركعتين الأوليين ولا في غيرهما، وقال: ما قرأ علقمة بن قيس خلف الإمام حرفاً قط فيما يجهر فيه بالقراءة ولا فيما لا يجهر فيه ولا قرأ في الركعتين الأخريين بأم الكتاب ولا غيرها خلف الإمام ولا أصحاب عبد الله جميعاً۔ (مسند ابی حنیفہ لابن خسرو: ج۱: ص۳۳۰)

سند کے روات کی تحقیق:

(۱) امام ابوعبد اللہ ابن خسروؒ **(م۵۲۲ھ)** مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔**(الاجماع: ش۵: ص۱۰۵)**

(۲) محدث ابو حسین مبارک بن عبد الجبارؒ **(م۵۰۰ھ)** بھی ثقہ اور مضبوط راوی ہیں۔**(تاریخ الاسلام: ج۱۰: ص۸۳۰)**

(۱۲)　　عبد اللہ بن مسعودؓ ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ ”**وودت أن الذي يقرأ خلف الإمام ملئ فوه نتنا**“ میں چاہتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اس کا منہ بدبو سے بھر جائے۔(**القراءۃ خلف الامام للبخاری: ص ۱۳**)[12]

---

(۳)　　ابو منصور محمد بن محمد بن عثمانؒ (**م ۴۰۴ھ**) بھی ثقہ ہیں۔(**تاریخ الاسلام: ج۹: ص ۵۹۵**)

(۴)　　احمد بن جعفر بن حمدان، ابو بکر القطیعیؒ (**م ۳۶۷ھ**) بھی ثقہ، امام ہیں۔(**ایضاً: ج۸: ص ۲۸۲**)

(۵)　　امام ابو علی، بشر بن موسی بن صالحؒ (**م ۲۸۸ھ**) بھی مشہور ثقہ، عاقل، امام ہیں۔(**ایضاً: ج۶: ص ۷۲۴**)

(۶)　　امام ابو عبد الرحمٰن، عبد اللہ بن یزید المقریؒ (**م ۲۱۳ھ**) صحیحین کے راوی اور ثقہ، فاضل مقری ہیں۔(**تقریب: رقم ۳۷۱۵**)

(۷)　　امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابتؒ (**م ۱۵۰ھ**) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور اپنی روایت میں ثبت و مضبوط ہیں۔(**تفصیل انشاء اللہ آنے والے شماروں میں آئے گی**)

(۸)　　حماد بن ابی سلیمانؒ (**م ۱۲۰ھ**)

(۹)　　امام ابراہیم نخعیؒ (**م ۹۶ھ**) مشہور ائمہ ثقات میں سے ہیں۔

لہذا یہ سند صحیح ہے۔ اور امام ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل ائمہ کے نزدیک صحیح اور مضبوط ہیں، جس کے حوالے گزر چکے۔

[12] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ (**م ۲۵۶ھ**) کہتے ہیں کہ

وروى أبو حباب، عن سلمة بن كهيل، عن إبراهيم، قال في نسخة عبد الله: وودت أن الذي يقرأ خلف الإمام ملئ فوه نتنا۔(القراءۃ خلف الامام للبخاری: ص ۱۳)

سند کے روات کی تحقیق:

(۱)　　امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ (**م ۲۵۶ھ**) مشہور ثقہ، امام، حافظ الحدیث، محدث، اور حجت ہیں۔(**تقریب، الکاشف**)

(۲)　　خالد بن الحباب، ابو حبابؒ بھی صدوق ہیں۔ امام ابو حاتمؒ (**م ۲۷۷ھ**) کہتے ہیں کہ ان کی احادیث لکھی جائے، امام قاسم بن قطلوبغاؒ (**م ۸۷۶ھ**) اور حافظ ابن حبانؒ (**م ۳۵۴ھ**) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔(**کتاب الثقات للقاسم: ج۴: ص ۹۳**)،

اعتراضات:

اثری صاحب کہتے ہیں کہ ابو حباب متکلم فیہ راوی ہے۔اور امام بخاریؒ نے اس کی پوری سند ذکر نہیں کی۔(**توضیح الکلام:۹۹۸**)

جوابات:

اثری صاحب نے میزان کے حوالے سے ان پر جرح کی ہے۔لیکن میزان الاعتدال میں لکھاہے کہ " **روى عن سليمان التيمي أدركه أبو حاتم، وسمع منه، وقال: يكتب حديثه وقال غيره: ليس بذاك** "۔(**میزان: ج ۱: ص ۶۲۹**)
اب یہ غیرہ کون ہے،اثری صاحب ہی بتائے، کیا غیر مقلدین کے نزدیک مجہول کی بات مقبول ہے ؟؟؟ خاص طور سے جب کہ دوسرے ائمہ نے توثیق کی ہے۔

اور ابو الحباب،خالد بن الحبابؒ کو حافظ ذہبیؒ نے اس طبقے میں شمار کیا ہے،جن کی وفات (**۲۱۱ھ تا ۲۲۰ھ**) کے درمیان ہوئی ہے۔(**تاریخ الاسلام : ج۵: ص ۳۰۴**) اس لحاظ سے امام بخاریؒ (**م ۲۵۶ھ**) کا ان سے سماع ممکن ہے۔لہذا اثری صاحب یہ کہنا کہ امام بخاریؒ نے اس کی پوری سند ذکر نہیں کی قابل غور ہے۔

یاد رہے کہ ابراھیم عن عبد اللہ کی روایت قوی اور مضبوط ہوتی ہے۔دیکھئے (**مجلہ الاجماع : ش۱۱: ص ۱۳**)، لہذا اس روایت کو مرسل کہنا بھی مردود ہے۔بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت درایتاً متصل ہے۔

نیز ان کے متابع میں امام طحاویؒ کی ایک روایت موجود ہے،وہ کہتے ہیں کہ " **حدثنا أبو بكرة، قال: ثنا أبو داود، قال: ثنا حديج بن معاوية، عن أبي إسحاق، عن علقمة، عن ابن مسعود، قال: «ليت الذي يقرأ خلف الإمام ملئ فوه ترابا** "۔(**شرح معانی الآثار: ج ۱: ص ۲۱۹**) اس روایت پر اثری صاحب نے درج ذیل اعتراضات کئے ہیں۔

- حدیج متکلم فیہ ہے۔
- ابو اسحاقؒ مدلس و مختلط ہے۔
- علقمہ سے ابو اسحاق سے سماع ثابت نہیں۔(**توضیح: ص ۹۹۸**)

جوابات:

(۱) حدیج پر کلام ہے،لیکن برحال وہ متابع کی صورت میں مقبول ہیں۔اور یہاں ان کے متابعات موجود ہے۔ نیز ابو اسحاق السبیعیؒ (**م ۱۲۰ھ**) کے شاگرد محمد بن عجلانؒ (**م ۱۴۸ھ**) نے بھی اس روایت کو مرسلاً بیان کیا ہے۔(**مصنف عبد الرزاق: رقم ۲۸۰۶**) لہذا جرح مردود ہے۔

(۱۳) امام ابو عبد اللہ، احمد بن محمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱؁ھ) کہتے ہیں کہ

" أجمع الناس أن هذه الآية في الصلاة "

لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیات نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(**مسائل ابو داود : رقم ۲۲۳**)، ایک بار امام صاحب سے جب دل ہی دل میں فاتحہ پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا، تو کہتے ہیں کہ "**قَـــــالَ**

---

(۲) ائمہ کے نزدیک ابو اسحاق کبھی کبھار تدلیس کرنے والے ہیں۔لہذا ان کی تدلیس خود غیر مقلدین کے اصول سے مقبول ہے۔دیکھئے (**مجلہ الاجماع : ش ۹: ص ۲۳**) ،اس روایت میں ابو اسحاق پر مختلط کا اعتراض بھی مردود ہے، کیونکہ ان کے متابع میں ثقہ، امام ابراھیم نخعیؒ (م ۹۶؁ھ) موجود ہے۔

(۳) ابو اسحاق السبیعیؒ (م ۱۲۰؁ھ) کا سماع علقمہ سے ثابت ہے۔ دیکھئے **مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۵۹۱۸**۔ لہذا یہ تمام اعتراضات مردود ہے۔ پھر ایک تیسری سند امام ابو بکر البیہقیؒ (م ۴۵۸؁ھ) نے ذکر کی ہے۔ (**کتاب القراءۃ للبیہقی : ص ۱۶۸**) چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "**أخبرنا أبو بكر أحمد بن الحسن القاضي ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب نا يحيى بن أبي طالب, نا عمرو بن عبد الغفار, عن ابن أبي ليلى, عن الحكم, عن إبراهيم, عن علقمة, عن عبد الله, قال: «لأن أعض على جمر الغضا أحب إلي من أن اقر أخلف الإمام**"۔ اس سند میں عمرو بن عبد الغفارؒ متکلم فیہ راوی ہے۔ لیکن ان کے متابع میں ابراہیم نخعی کی مرسل روایت موجود ہے، جیسا کہ گزر چکا، (**ص:**)، لہذا اس روایت میں ان پر کلام فضول اور بیکار ہے اور ابن ابی لیلیؒ متابعات میں مقبول ہیں۔ لہذا اس روایت کی اصل معلوم ہوتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے امام بیہقیؒ کو کہنا پڑھا کہ " **هذا إن سلم من عمرو بن عبد الغفار ثم من محمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى فالمراد بالقراءة الجهر**"۔(**ایضاً**)

آخر میں شیخ الالبانیؒ کا قول بھی ملاحظہ فرمائیے، شیخؒ نے تقریباً یہی روایت ابن مسعودؓ کے شاگرد علقمہ بن قیسؒ سے مقطوعاً صحیح ثابت مانا اور کہا کہ " **قلت: وعلقمة والأسود بن يزيد من الذى تفقهو اعلى ابن مسعود رضى الله عنه, فلعلهما تلقيا ذلك عنه, فإن ثبت ذلك, فهو دليل على صحته عن ابن مسعود, وإن كان إسناده عنه ضعيفاً, كما رأيت**" میں کہتا ہوں کہ علقمہؒ اور اسود بن یزیدؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ابن مسعودؓ سے فقہ حاصل کیا، تو شاید یہ (مسئلہ) انہوں نے ان (ابن مسعودؓ) سے سیکھا ہو، پس اگر یہ ثابت ہوجائے تو یہ دلیل ہوگی کہ یہ (مسئلہ عدم قراءت خلف الإمام) ابن مسعودؓ سے صحیح طور پر منقول ہے، اگر چہ ان (ابن مسعودؓ) تک اس (اثر) کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ آپ نے دیکھا۔(**ارواء الغلیل: ج ۲: ص ۲۸۱**)

الغرض یہ پوری تفصیل بتارہی ہے کہ یہ روایت ابن مسعودؓ سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

لَا وَقَالَ {وَإِذا قرئَ الْقُرْآن فَاسْتَمعُوا لَهُ وأنصتوا} " مت پڑھو، اور کہا کہ جب قرآن کی تلاوت ہو، تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ **(مسائل احمد بروایت عبد اللہ: رقم ۲۵۴)**

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب لکھی پر جانے والی سب سے پہلی مختصر اور متن الفقہ میں امام ابو القاسم الخرقیؒ (م ۳۳۴ھ) لکھتے ہیں کہ

" المأموم إذا سمع قراءة الإمام فلا يقرأ ب "الحمد" ولا بغيرها لقوله تعالى: {وإذا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} .... الاستحباب أن يقرأ في سكتات الإمام وفيما لا يجهر فيه فإن لم يفعل فصلاته تامة لأن من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة"

مقتدی جب امام کی قراءت سنے، تو نہ فاتحہ پڑھے اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت، اللہ تعالی کے قول [**وإذا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ**] کی وجہ سے، اور جہری نماز میں امام کے سکتات میں نیز سری نمازوں میں قراءت کرنا مستحب ہے، لیکن اگر اس نے قراءت نہ کی، تو بھی اس کی نماز مکمل ہے اس لئے کہ جس کا کوئی امام ہے، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ **(مختصر الخرقی: ص ۲۴)**

(۱۴) مشہور مفسر، ثقہ حافظ الحدیث، امام ابو جعفر، محمد بن جریر الطبریؒ **(م ۳۱۰ھ)** آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر کے بارہ میں جتنے بھی اقوال ہیں ان سب میں سب زیادہ راجح قول یہ ہے کہ اس کا شان نزول نماز اور خطبہ ہے، اور آگر فرماتے ہیں کہ

وقد صح الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بما ذكرنا من قوله: "إذا قرأ الإمام فانصتوا" فالإنصات خلفه لقراءته واجب على من كان به مؤتمًّا سامعًا قراءته، بعموم ظاهر القرآن والخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے بارے میں حضور ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے، آپ کا ارشاد عالی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، لہذا جو شخص امام کے پیچھے اس کی اقتداء کر رہا ہو اور اس

کی قراءت کو سن رہا ہو،اس پر واجب ہے کہ وہ خاموش رہے امام کی قراءت کی وجہ سے، قرآن کریم کے ظاہری الفاظ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی وجہ سے۔(**تفسیر ابن جریر:ج۱۳:ص۳۵۳**)

مشہور مفسر، محدث، حافظ ابن کثیرؒ(م۷۷۴ھ) کہتے ہیں کہ

هذا اختيار ابن جرير أن المراد بذلك [الإنصات في الصلاة وفي الخطبة؛ لما جاء في الأحاديث من الأمر بالإنصات] خلف الإمام وحال الخطبة

امام ابن جریرؒ کا مسلک ہے کہ نماز میں اور خطبہ میں خاموشی سے مراد امام کے پیچھے اور خطبے کے دوران خاموش رہنا ہے۔(**تفسیر ابن کثیر:ج۳:ص۵۳۸**)

(۱۵) ثقہ، ثبت فقیہ اور مفسر امام سعید بن جبیرؒ(م۹۵ھ) اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ

سعيد بن جبير يقول في قوله: (وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا) قال: الإنصات: يوم الأضحى، ويوم الفطر، ويوم الجمعة، وفيما يجهر به الإمام من الصلاة

جمعہ اور دونوں عیدوں کے دن (کے خطبوں کے وقت) اور امام کی جہری نماز میں خاموش رہنا ہے۔(**تفسیر ابن جریر:ج۱۳:ص۳۵۱**)[13]

---

[13] امام ابن جریر طبریؒ(م۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثني المثنى قال: حدثنا سويد قال: أخبرنا ابن المبارك، عن بقية بن الوليد قال: سمعت ثابت بن عجلان يقول: سمعت سعيد بن جبير يقول في قوله: (وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا) قال: الإنصات: يوم الأضحى، ويوم الفطر، ويوم الجمعة، وفيما يجهر به الإمام من الصلاة.(**تفسیر ابن جریر:ج۱۳:ص۳۵۱**)

اس روایات کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں۔(**دیکھئے ص:۲۰**)

معلوم ہوا کہ یہ آیات امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔[14]

نیز اس روایت سے معلوم ہوا کہ سعید بن جبیرؒ (م ۹۵ھ) جہری نمازوں قراءت میں قائل نہیں تھے۔ البتہ سری میں تھے۔
(کتاب الآثار لابی یوسف: ص ۲۴، کتاب الآثار لابی عبد اللہ محمد بن الحسن: ج ۱: ص ۱۸۶)

[14] اثری صاحب نے ائمہ احناف کے حوالے پیش کر کے یہ بتانے کی کوشش کی کہ ائمہ احناف کے نزدیک یہ آیات کا تعلق جہری نمازوں سے ہے، سری سے نہیں۔ **(توضیح الکلام: ص ۶۲۵)**

الجواب:

اثری صاحب کے بقول جب ائمہ احناف کے نزدیک یہ آیت کا تعلق جہری نماز سے ہے۔ اور اس آیت سے جہری نمازوں میں قراءت منسوخ ہے۔ جیسا کہ توضیح الکلام میں موصوف نے حوالے ذکر کئے ہیں۔

تو اثری صاحب اور غیر مقلدین سے گزارش ہے کہ کم سے کم اس آیت سے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کو منسوخ تسلیم کرلیں، کیونکہ بقول ان کے ائمہ احناف اور ان کے علاوہ ائمہ اسلاف مثلاً عبد اللہ بن مسعودؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؒ، ابو العالیہؒ، محمد بن کعب القرظیؒ، سعید بن جبیرؒ، زہریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن جریر طبریؒ، وغیرہ نے بھی اس آیت کا شان نزول قرات خلف الامام تسلیم کیا ہے۔

نیز ان ائمہ اسلاف میں سے کسی کا مسلک بھی کم سے کم جہری نماز میں قراءت کرنے کا نہیں ہے۔ والحمد للہ

لہذا موجودہ غیر مقلدین اور علماء غیر مقلدین سے گزارش ہے کہ ضد چھوڑدے، ان باتوں پر غور کریں اور کم سے کم شیخ الالبانیؒ کی طرح جہری نمازوں میں قراءت کو منسوخ ومتروک تسلیم کرلیں۔ **وما علینا الا بلاغ المبین،**

امام کے پیچھے قراءت کے مسئلے میں امام مجاہد بن جبرؒ (م ۱۰۴ھ) کا مسلک

ارشاد الحق اثری صاحب نے امام مجاہدؒ کی طرف منسوب ایک قول کو جزء القراءت للبخاری، کتاب القراءت للبیہقی، منصف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: کہ جب امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے، تو نماز کو دوبارہ پڑھا جائے۔ (**توضیح الکلام: ص ۴۹۳**)

الجواب:

ان تینوں کتابوں میں روایت کی سند میں امام اللیث بن ابی سلیمؒ (م ۱۴۸ھ) موجود ہے۔ جو کہ خود اثری صاحب کے نزدیک ضعیف ہے۔ (**اعلاء السنن فی المیزان: ص ۳۵۰**)

لہذا ان کی روایات سے استدلال مردود ہے۔

ان کے متابع میں جو روایت اثری صاحب نے ذکر کی، اس میں ایسی کوئی بات نہیں، جس سے امام مجاہدؒ کا یہ مسلک ثابت ہوتا ہو کہ وہ سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کے قائل ہے۔

بلکہ اس روایت میں یہ ہے کہ

قال ابو بکر ابن ابی شیة : حدثنا هشيم، قال: أخبرنا حصين، قال: صليت إلى جنب عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، قال: فسمعته يقرأ خلف الإمام، قال: فلقيت مجاهدا فذكرت له ذلك، قال: فقال مجاهد: سمعت عبد الله بن عمرو يقرأ خلف الإمام

حصین بن عبد الرحمٰن الکوفیؒ (م ۱۳۶ھ) نے عبیداللہ بن عبد اللہ بن عتبہؒ (م ۹۸ھ) کے پہلو میں نماز پڑھی، تو انہوں نے عبیداللہ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے سنا، تو حصین بن عبد الرحمٰن الکوفیؒ (م ۱۳۶ھ) نے جب اس بات ذکر امام مجاہدؒ سے کیا، تو امام مجاہدؒ نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے سنا۔ (**مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۷۷۱**)

لیکن مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۲۷۷۵ میں ہے کہ

عبد الرزاق، عن ابن عيينة، عن حصين بن عبد الرحمن قال: سمعت عبيد الله بن عبد الله بن عتبة يقرأ في الظهر والعصر مع الإمام۔

یہی راوی حصین بن عبد الرحمٰن الکوفیؒ (م ۱۳۶ھ) کہتے ہیں کہ میں نے عبیداللہ بن عبد اللہ بن عتبہؒ (م ۹۸ھ) کوامام کے ساتھ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے ہوئے سنا۔

سنن کبری بیہقی کی روایت میں امام مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے خود ابن عتبہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ دونوں کوامام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا۔ **(ج ۲: ص ۲۴۲، حدیث نمبر ۲۹۴۰)**

ایک روایت میں امام مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے سنا۔ **(مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۲۷۷۴)**

مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت میں امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ظہر میں سورہ مریم کی قراءت کرتے سنا۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۷۷۰)**

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان روایات کا تعلق صرف سری نمازوں سے ہے۔ اورابن عتبہؒ (م ۹۸ھ) کی قراءت، حصین بن عبد الرحمٰن الکوفیؒ (م ۱۳۶ھ) کا سوال، مجاہدؒ کا جواب اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی قراءت بھی سری نمازوں کے تعلق سے تھی۔

لہذا یہ روایت لیثؒ کی روایت کی تائد نہیں کرتی۔

مجاہدؒ کا صحیح مسلک:

صحیح روایات میں امام مجاہدؒ (م ۱۰۴ھ) کا ارشاد موجود ہے کہ انہوں نے کہا کہ آیت جب قراءت کی جائے، تو خاموش رہو، کا تعلق نماز سے ہے۔ یعنی امام کے پیچھے قراءت کے وقت خاموش رہنا ہے۔ **(تفسیر ابن جریر: ج ۱۳: ص ۳۴۹)**،

ایک اورروایت میں امام مجاہدؒ نے کہا (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ) نماز میں امام کے قراءت کرتے وقت اور جمعہ کے دن، خطبے کے وقت خاموشی واجب ہے۔(**تفسیر ابن ابی حاتم: ج۵: ص۱۶۴۶،وفی اسنادہ جابر الجعفی وھو ضعیف کمافی تقریب لکن یقویہ بالمتابع،انظر تفسیر ابن جریر: ج۱۳: ص۳۴۹**)،

اس سے معلوم ہوا کہ امام مجاہدؒ کا مسلک امام کے پیچھے خاموش رہنے کا ہے۔

اثری صاحب کی روایت کے راوی لیث بن ابی سلیم کی ہی ایک اور روایت ہے کہ

وقال عبد الرزاق، عن الثوري، عن ليث، عن مجاهد أنه كره إذا مر الإمام بآية خوف أو بآية رحمة أن يقول أحد من خلفه شيئا، قال: السكوت

جب امام آیت خوف یا آیت رحمت کی تلاوت کریں تو مقتدیوں میں کسی ایک آدمی کاایک حرف بھی کہنے کو، امام مجاہدؒ نے مکروہ قرار دیا ہے اور کہا کہ امام کے پیچھے خاموش رہو۔(تفسیر عبدالرزاق بحوالہ **تفسیر ابن کثیر: ج۳: ص۵۳۸**)

امام ابن شہاب الزہریؒ (م ۱۲۵ھ) کا مسلک

امام ابن شہاب الزہریؒ (م ۱۲۵ھ) جہری نمازوں امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہیں تھے۔ چنانچہ ابن جریر الطبریؒ (م ۳۱۰ھ) کہتے ہیں کہ

حدثني المثنى قال: حدثنا سويد قال: أخبرنا ابن المبارك، عن يونس، عن الزهري قال: لا يقرأ مَن وراء الإمام فيما يجهر به من القراءة، تكفيهم قراءة الإمام وإن لم يُسْمِعهم صوته، ولكنهم يقرءون فيما لم يجهر به سرًّا في أنفسهم. ولا يصلح لأحد خلفه أن يقرأ معه فيما يجهر به سرًّا ولا علانية. قال الله: (وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون)

امام زہریؒ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مقتدی قراءت نہ کریں، امام کا پڑھنا ہی مقتدیوں کے لئے کافی ہے، چاہے وہ مقتدیوں کو کچھ بھی نہ سناتا ہو، مقتدیوں کو نہ تو جہر سے قراءت کرنا جائز ہے، اور نہ آہستہ سے۔ ہاں سری نمازوں میں وہ اپنے دل میں قراءت کر سکتا ہے اور جہری نمازوں میں اس لئے منع ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ **وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون۔ (تفسیر ابن جریر الطبری: ج۱۳: ص۳۵۰)**

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں۔ (**دیکھئے ص:۲۰**)

معلوم ہوا کہ امام زہریؒ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہیں تھے۔ البتہ سری نمازوں میں اس کی اجازت دیتے تھے۔ لیکن اس میں بھی وجوب کے قائل نہیں تھے۔ واللہ اعلم

قراءت خلف الامام کے سلسلے میں عبد اللہ بن عباسؓ (م ۶۸؁ھ) کا مسلک

صحیح روایات کے مطابق ابن عباسؓ امام کے پیچھے جہری نماز میں قراءت کے قائل نہیں تھے۔

دلیل نمبر ۱:

چنانچہ امام ابو جعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱؁ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا ابن أبي داود، قال: ثنا أبو صالح الحراني، قال: ثنا حماد بن سلمة، عن أبي جمرة، قال: قلت لابن عباس أقرأ والإمام بين يدي. فقال: «لا»

ابو جمرہؒ (م ۱۲۸؁ھ) کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ جب امام میرے سامنے ہو، تو کیا میں قراءت کروں، تو ابن عباسؓ نے کہا: کہ نہیں، مت کرو۔ **(شرح معانی الآثار: ج ۱: ص ۲۲۰، حدیث نمبر ۱۳۱۶)**[15]

سند کے رواۃ کی تحقیق:

(۱) امام طحاویؒ کی توثیق گزر چکی۔

(۲) ابو اسحاق، ابراہیم بن ابی داود البرلسیؒ (م ۲۷۰؁ھ)، ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔ **(سیر: ج ۱۳: ص ۳۹۳)**

(۳) ابو صالح عبد الغفار بن داود الحرانیؒ (م ۲۲۴؁ھ) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۱۳۶)**

(۴) حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷؁ھ) صحیح مسلم اور سنن اربع کے راوی اور ثقہ، عابد ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۴۹۹)**

---

[15] **شرح معانی الآثار** کے مطبوعہ نسخے میں ابو جمرہ کے بجائے ابو حمزہ لکھا ہے۔ جو کہ غلط اور کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ صحیح ابو جمرہ ہے، جو کہ ابن عباسؓ کے شاگرد اور حماد بن سلمہؒ کے استاذ ہیں۔

نوٹ:

محدثین کا کہنا ہے کہ حماد بن سلمہؒ کا آخری عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ **(ایضاً)**، لیکن حماد بن سلمہ سے ابو صالح عبدالغفار بن داود الحرانیؒ (م ۲۲۴ھ) نے ان کے حافظہ متغیر ہونے سے پہلے روایت لی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ ابو صالح عبدالغفار بن داود الحرانیؒ کے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ

سار به أبوه وهو طفل، فنشأ بالبصرة، وتفقه، وكتب العلم، ثم رجع إلى مصر مع والده

ابو صالح عبدالغفار بن داود الحرانیؒ کے والد ان کو (بصرہ) لے گئے، جب کہ وہ بچے تھے، پھر ابو صالحؒ نے بصرہ میں پرورش پائی، دین کی سمجھ حاصل کی، علم کو لکھا، پھر اپنے والد کے ساتھ مصر واپس آ گئے۔

اس کے چند سطور کے بعد حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) خود لکھتے ہیں کہ

قدم مصر مع أبيه في سنة إحدى وستين

ابو صالح اپنے والد کے ساتھ (۱۶۱ھ) میں مصر آئے۔ **(سیر :ج ۱۰: ص ۴۳۹)** نیز امام ابن یونس المصریؒ (م ۳۴۷ھ) نے بھی یہی بات کہی ہے۔ **(تاریخ الاسلام: ج ۵: ص ۶۲۲)**

جب کہ حماد بن سلمہؒ کی وفات (م ۱۶۷ھ) میں ہوئی ہے۔ اور محدثین کا کہنا ہے کہ حماد بن سلمہؒ کا **"آخری عمر میں حافظہ متغیر"** ہو گیا تھا۔ **(تقریب، تہذیب التہذیب)**، ثابت ہوا کہ ابو صالح عبدالغفار بن داود الحرانیؒ (م ۲۲۴ھ) نے حماد بن سلمہ سے ان کے حافظہ متغیر ہونے سے پہلے سماع کیا۔

لہذا اس روایت میں حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷ھ) ثقہ ہیں اور ان پر حافظہ متغیر ہونے الزام باطل و مردود ہے۔

(۵) ابو جمرہ، نصر بن عمران البصریؒ (م ۱۲۸ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، مضبوط ہیں۔ **(تقریب : رقم ۷۱۲۲)**

(٦) عبد اللہ بن عباسؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۲ :

امام ابو محمد، عبد الرحمٰن ابن ابی حاتمؒ (م **۳۲۷ھ**) فرماتے ہیں کہ

حدثنا أبي، ثنا النفيلي، ثنا مسكين بن بكير، ثنا ثابت بن عجلان، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: "إن المؤمن في سعة من الاستماع إِلَيْهِ إِلَّا يوم جمعة، أو في صلاة مكتوبة أو يوم أضحى أو يوم فطر في قوله: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آیت **وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا** کے مطابق، مومن کے لئے فرض نماز میں، جمعہ، عید الفطر اور عید الاضحی کے دنوں میں (خطبے کے وقت) خاموش رہنا کے سوا کوئی گنجائش نہیں ہے۔ **(تفسیر ابن ابی حاتم : ج۵: ص ۱۶۴۶، الدر المنثور :ج۳: ص ۶۳۷، قراءت خلف الامام للبیہقی: ص۱۰۸)**[16]

سند کے روات کی تحقیق:

(۱) امام ابو محمد، عبد الرحمٰن ابن ابی حاتمؒ (م **۳۲۷ھ**) اور

(۲) امام ابو حاتم محمد بن ادریسؒ (م **۲۷۷ھ**) مشہور ثقہ ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں۔

---

[16] تفسیر ابن ابی حاتم کے مطبوع نسخہ میں کاتب کی غلطی کی وجہ سے "**إن المؤمن في سعة من الاستماع إِلَيْهِ إِلَّا يوم جمعة**" کے بجائے "**إن المؤمن في سعة من الاستماع إِلَي يوم جمعة**" آگیا ہے۔ لیکن امام سیوطیؒ نے یہی روایت کو جب ابن ابی حاتمؒ کی تفسیر سے نقل کیا تو "**إن المؤمن في سعة من الاستماع إِلَيْهِ إِلَّا يوم جمعة**" کے الفاظ نقل کیا ہے۔ لہذا قارئین سے گزارش ہے کہ اسے بات کو نوٹ کر لیں۔

(۳) عبد اللہ بن محمد، ابو جعفر **النفیلی**ؒ (**م ۲۳۴؁ھ**) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۵۹۴)**

(۴) مسکین بن بکیرؒ (**م ۱۹۸؁ھ**) صحیحین کے راوی اور صدوق ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۶۱۵، الکاشف)**

(۵) ثابت بن عجلانؒ صحیح بخاری کے راوی اور صدوق ہیں۔ **(تقریب: رقم ۸۲۲)**

(۶) سعید بن جبیرؒ (**م ۹۵؁ھ**) مشہور ثقہ، ثبت ائمہ مفسرین میں سے ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۲۷۸)**

(۷) عبد اللہ بن عباسؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس کی سند حسن ہے۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہیں تھے۔

اثری صاحب کے پیش کردہ روایات کے جوابات:

پہلی دلیل:

اثری صاحب نے پہلی روایت عیزار بن حریثؒ سے حوالے سے ذکر کی کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو۔ **(توضیح الکلام: ص ۴۶۱)**

الجواب:

اس روایت کا تعلق سری نماز سے ہے، چنانچہ ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث امام طحاویؒ (**م ۳۲۱؁ھ**) کہتے ہیں کہ

حدثنا علي بن شيبة, قال: ثنا يزيد بن هارون قال: أنا إسماعيل بن أبي خالد عن العيزار بن حريث عن ابن عباس رضي الله عنهما, قال: اقرأ خلف الإمام بفاتحة الكتاب في الظهر والعصر

ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو۔**(شرح معانی الآثار : ج۱: ص ۲۰۶، حدیث نمبر ۱۲۱۹)**

عیزار بن حریثؒ کی اس روایت میں ظہر اور عصر کا ذکر ہے۔لہذا یہ روایت سری نماز کے تعلق سے ہے۔

دوسری دلیل:

دوسری روایت اثری صاحب کتاب القراءت للبیہقی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ امام کے پیچھے پڑھو خواہ وہ بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ۔**(توضیح الکلام: ص۴۶۷)**

الجواب:

کتاب القراءت للبیہقی میں اس روایت کی ۲ سندیں موجود ہے۔ان دونوں سندوں کے دفاع میں خود اثری صاحب کہتے ہیں کہ اور (پہلی سند میں) عقبہ بن عبد اللہ اصم اگرچہ ضعیف ہے، لیکن لیث(**بن ابی سلیم**) اس کا متابع موجود ہے۔**(توضیح الکلام: ص۴۶۶-۴۶۷)**

مگر یہاں مسئلہ صرف ان ۲ حضرات کی روایت کا نہیں ہے۔بلکہ عقبہ بن عبد اللہ اصمؒ اور لیث بن ابی سلیمؒ کی روایت ثقہ حضرات حماد بن سلمہؒ(**م۱۶۷ھ**)،اور ثابت بن عجلانؒ کی روایات کے بھی خلاف ہے۔جن میں ابن عباسؓ نے امام کے پیچھے قراءت سے منع کیا ہے۔

لہذا یہاں مخالفت ثقات کی وجہ سے عقبہ بن عبد اللہ اصمؒ اور لیث بن ابی سلیمؒ کی روایات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری دلیل:

تیسری روایت کو اثری صاحب نے نقل کیا کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ کوئی نماز قراءت کے بغیر نہ پڑھو۔ اگرچہ تم فاتحہ ہی پڑھو۔

الجواب:

اس روایت کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے۔خود غیر مقلد عالم زبیر علی زئی کہتے ہیں کہ ہر خاص دلیل ہر عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے۔**(نور العینین : ص ۵۸)** اور خاص روایات میں ابن عباسؓ نے مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کرنے سے روکا ہے۔ دیکھئے **ص:۳۸،**

لہذا اس روایت کا مقتدی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

خلاصہ:

عبد اللہ بن عباسؓ **(م۶۸ھ)** جہری نمازوں قراءت کے قائل نہیں تھے۔البتہ سری نمازوں میں تھے۔

کیا عبد اللہ بن مسعودؓ امام پیچھے قراءت کے قائل تھے؟؟

بعض ائمہ نے ان روایات **"یکفیك ذلك الإمام"**، **"أن عبد الله بن مسعود لم یقرأ خلف الإمام"** کو صرف جہری نماز پر محمول کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ سری نمازوں ابن مسعودؓ سے قراءت کرنے کی روایات مروی ہے۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کیونکہ

(۱) مذکورہ بالا تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ امام کے پیچھے مطلق قراءت کے قائل نہیں تھے۔ نہ سری میں اور نہ ہی جہری میں۔ جیسا کہ روایات کے الفاظ **"یکفیك ذلك الإمام"**، **"أن عبد الله بن مسعود لم یقرأ خلف الإمام"** صاف طور سے مطلق قراءت کے منع پر دلالت کرتے ہیں۔

پھر روایت **" أن عبد الله بن مسعود كان لا یقرأ خلف الإمام فیما جهر فیه، وفیما یخافت فیه"** صریح ہے کہ ابن مسعودؓ نہ جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے اور نہ سری میں۔

بلکہ طبرانی کی ایک روایت میں الفاظ ہے **"كان لا یقرأ خلف الإمام وكان إبراهیم یأخذ به"** کہ قراءت خلف الامام کے سلسلے میں ابراھیم نخعیؒ نے ابن مسعودؓ کا قول لیا ہے۔ ابراھیم نخعیؒ کا مسلک سری اور جہری دونوں نمازوں میں عدم قراءت کا ہے۔ (**کتاب الآثار ابو یوسف : ص ۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ** وغیرہ)
لہذا معلوم ہوا کہ یہ روایات مطلق قراءت سے منع کرتی ہے۔

(۲) ابراھیم نخعیؒ کے بارے میں امام دار قطنیؒ (**م ۳۸۵ھ**) کہتے ہیں کہ " **إبراهیم النخعي هو أعلم الناس بعبد الله وبرأیه وبفتیاه** " ابرھیم نخعیؒ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ابن مسعودؓ کی اقوال اور فتاوی کو جاننے والے تھے۔ (**سنن دار قطنی: ج ۴: ص ۲۲۶، حدیث نمبر ۳۳۶۵**)، حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ " **وَكَانَ بَصِيْراً بِعِلْمِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ** " ابرھیم ابن مسعودؓ کے علم کے ماہر تھے۔ (**سیر : ج ۴: ص ۵۲۱**)، لہذا ابن مسعودؓ کے سلسلے میں ابراھیم نخعیؒ کا قول دوسرے ائمہ پر حجت ہوگا، اور یہ گزر چکا کہ وہ ابن مسعود کے تعلق سے یہ واضح کرتے تھے کہ وہ سری اور جہری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے عدم قراءت کے قائل تھے۔ (**دیکھئے ص: ۲۷**)

(۳) عبد اللہ بن مسعودؓ کے تمام اصحاب سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ام القرآن یا کسی دوسری صورت کے ایک حرف کی بھی قراءت کے قائل نہیں تھے۔ **(دیکھئے ص:۲۲-۲۷)** یہ بھی قوی دلیل ہے کہ ابن مسعودؓ کا مسلک مطلق عدم قراءت کا تھا۔

(۴) سری نمازوں میں ابن مسعودؓ سے قراءت کرنے کی تمام کی تمام روایات **ضعیف یا غیر واضح** ہونے کے ساتھ ساتھ **ثقہ، حفاظ کی مطلق عدم قراءت کی روایات کے خلاف بھی ہے۔** تفصیل ملاحظہ فرمائے

- اثری صاحب نے پہلی روایت شریک عن اشعث کی سند سے پیش فرمائی اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۴۴۱)**،

الجواب:

اشعثؒ کی یہی روایت شعبہؒ نے بیان کیا ہے، امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ " **حدثنا أبو بكرة, وابن مرزوق, قالا: ثنا أبو داود, قال: ثنا شعبة, عن أشعث بن أبي الشعثاء قال: سمعت أبا مريم الأسدي يقول: «سمعت ابن مسعود رضي الله عنه يقرأ في الظهر** "۔ **(شرح معانی الآثار: ج۱: ص ۲۱۰)**، اس روایت میں **"خلف الامام"** کے الفاظ نہیں ہے۔ جو شریکؒ کی روایت میں ہے۔ معلوم ہوا کہ روایت میں **"خلف الامام"** کے الفاظ نقل کرنے میں شریکؒ منفرد ہے، اور شیخ البانیؒ کہتے ہیں کہ " **لا يحتج به إذا تفرد, ولا سيما إذا خالف غيره من الثقات الحفاظ** " شریک جب کسی روایت میں منفرد ہوتے ہے، تو ان سے احتجاج نہیں کیا جائے گا، تو جب ثقہ، حافظ کی مخالفت کریں، تو وہ کس طرح حجت ہوسکتے ہیں۔ **(اصل صفۃ الصلاۃ: ج ۲: ص ۲۱۷)**، شیخ ابو اسحاق الحوینی اثری صاحب بھی کہتے ہیں کہ " **شريك كان سيىء الحفظ. وسيىء الحفظ لا يحتج به إذا انفرد, فكيف إذا خالف** "۔ **(نزول الركبة: ص ۳۱)**، قریب قریب یہی بات شیخ مقبل کے شاگرد شیخ ابو عبیدۃ عبد الرحمٰن الزاوی نے بھی کہی ہے۔ **(فتح الودود: ص ۱۲)**

الغرض شریکؒ اس روایت میں منفرد بھی ہے اور انہوں نے شعبہؒ کی مخالفت بھی کی ہے ۔نیز ان کا کوئی ثقہ متابع بھی نہیں ہے۔اور شریک کا تفرد کا دفاع کرتے ہوئے اثری صاحب نے بھی شعبہؒ کی روایت ذکر کی۔ مگر اس پر توجہ نہیں دی کہ اس روایت میں شریکؒ نے دراصل شعبہؒ کی مخالفت کی ہے۔

یا شاید موصوف نے اس تفرد اور مخالفت کو اصول "**حدیث یفسر بعضہ بعضا**" سے دور کرنے کی کوشش کر رہے ہے۔ مگر اثری صاحب یہی اصول حضرت عبادۃؓ کی **"لا صلاۃ...."** والی روایت کے بارے میں بھول گئے۔

خلاصہ یہ روایت مخالفت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

- دوسری روایت اثری صاحب نے لیثؒ کی سند سے پیش کی۔ **(ایضاً)**

جواب:

خود اثری صاحب نے صراحت کی کہ یہ روایت محض متابعات کے طور پیش کر رہے ہیں۔ **(ایضا: ص ۴۴۴)**، مگر یہاں مسئلہ متابعات کا نہیں، بلکہ مخالفت کا ہے۔ غیر مقلدین حضرات جواب عنایت فرمائے کہ کیا لیث بن ابی سلیمؒ مخالفت کی صورت میں مقبول ہونگے، کیونکہ ثقہ، حفاظ نے ابن مسعودؓ سے مطلق قراءت نہ کرنا نقل کیا ہے، جیسا کہ گزر چکا،

- تیسری روایت اثری صاحب نے "**مومل بن اسماعیل نا سفیان عن ابی اسحاق** "کی سند سے ذکر کی۔ **(ایضاً: ص ۴۴۷)**

جواب:

اس روایت میں ابو اسحاقؒ اور سفیان ثوریؒ کی تدلیس [جو کہ غیر مقلدین کے نزدیک مضر ہے] اور مومل کے ضعف کے علاوہ ایک اہم علت یہ ہے کہ مومل بن اسماعیل اس روایت میں " **فإن أحدكم تكون معه السورة فيقرأها , فإذا فرغ ركع من قبل أن يركع الإمام , فلا تسابقوا قراءكم** " الفاظ میں منفرد ہے

اور دوسرے ثقہ حفاظ مثلاً زہیرؒ،ابو الاحوصؒ ،معمرؒ وغیرہ نے نے یہ روایت ابو اسحاقؒ سے نقل کی،لیکن اس میں یہ الفاظ موجود نہیں ہے۔(**المعجم الکبیر للطبرانی : ج۹: ص ۲۷۵،مصنف ابن ابی شیبہ : حدیث نمبر ۷۲۲۱**)،لہذا یہ الفاظ ہی مشکوک ہے،جس کو اثری صاحب متابعات میں پیش کیا ہے۔نیز مخالفت تو اپنی جگہ باقی ہے۔

- ایک روایت اثری صاحب نے یہ پیش کی کہ جس میں علقمہ کا بیان ہے کہ " **صليت إلى جنب عبد الله , فلم أعلم أنه يقرأ حتى جهر بهذه الآية {وقل رب زدني علما}** " میں ابن مسعودؓ کے پہلو میں نماز پڑھی،مجھے پتا نہیں چلا کہ آپؓ قراءت کر رہے ہے،یہاں تک کہ آپؓ نے " **وقل رب زدني علما** " زور سے پڑھا،

الجواب:

اس روایت میں کئی احتمالات ہیں۔

۱- اس روایت میں امام کے پیچھے پڑھنے کا ذکر نہیں،اس کے جواب میں موصوف اثری نے پھر اس اصول " **حديث يفسر بعضه بعضا** " کو ذکر کیا ہے۔حالانکہ وضاحت کی گئی کہ شریکؒ اور مومل ؒ کی نفس روایت کے الفاظ ہی میں مخالفت ہے۔اور لیث کی روایت بھی ان ثقہ ،حفاظ کے خلاف ہے۔ جس میں قراءت کا ممانعت وارد ہے۔لہذا ان روایت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

۲- ممکن ہے کہ انہوں نے یہ رکوع یا سجدہ میں پڑھی ہو۔

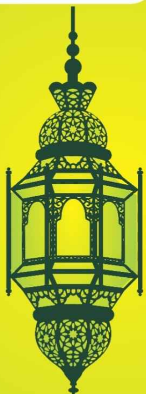
۲- یا ابن مسعودؓ نے یہ کلمات بطور دعا پڑھی ہو۔

الغرض جب احتمالات موجود ہے،تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔جیسا کہ خود اثری صاحب نے کہا ہے۔(**توضیح الکلام: ص ۸۳۲**)، خلاصہ ابن مسعودؓ سری اور جہری نمازوں میں قراءت کے قائل نہیں تھے۔واللہ اعلم

شمارہ نمبر ۱۵

مئی / ۲۰۲۰

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا



دو ماہی مجلّہ

الاجماع



- امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔ (قسط ۲) [رسول ﷺ کے کلام مبارک سے]
- معافی بن عمران الموصلیؒ (م ۱۸۶ھ)، کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) صدوق ہیں۔
- ”قلائدعقود الدرر و العقیان فی مناقب الإمام أبی حنیفة النعمان“ کی ایک عبارت اور ائمہ احناف کی توثیق۔

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔(قسط ۲)

(رسول ﷺ کے کلام مبارک سے)

- مولانا نذیرالدین قاسمی

جس طرح کلام پاک مع تفسیر ائمہ سے، امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت ثابت ہوئی ہے، بالکل اسی طرح رسول ﷺ کی احادیث سے بھی امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر ۱ :

امام ابوالحسین، مسلم بن الحجاجؒ (م ۲۶۱؁ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا إسحاق بن إبراهيم أخبرنا جرير، عن سليمان التيمي، كل هؤلاء عن قتادة عن يونس بن جبير، عن حطان بن عبد الله الرقاشي، قال: صليت مع أبي موسى الأشعري صلاة فلما كان عند القعدة قال رجل من القوم: أقرت الصلاة بالبر والزكاة؟ قال فلما قضى أبو موسى الصلاة وسلم انصرف فقال: أيكم القائل كلمة كذا وكذا؟ قال: فأرم القوم، ثم قال: أيكم القائل كلمة كذا وكذا؟ فأرم القوم، فقال: لعلك يا حطان قلتها؟ قال: ما قلتها، ولقد رهبت أن تبكعني بها فقال رجل من القوم: أنا قلتها، ولم أرد بها إلا الخير فقال أبو موسى: أما تعلمون كيف تقولون في صلاتكم؟ إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا. فقال: "إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا وإذ قال {غير المغضوب عليهم ولا الضالين}، فقولوا: آمين۔۔۔۔

حضرت ابو موسی اشعریؓ ایک طویل روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تعلیم فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے سے پہلے اپنی صفوں کو درست کرلو۔ پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور **جب وہ قراءت کرے، تو تم خاموش رہو،**

اور جب وہ **غير المغضوب عليهم ولا الضالين** کہے تو تم آمین کہو۔ (**صحیح مسلم: ج۱: ص۳۰۴، حدیث نمبر ۴۰۴، ت شیخ فوائد عبد الباقی**)

چونکہ یہ مسلم کی روایت ہے، لہذا سند پر کلام کرنے کی ضرورت ہی نہیں، تمام کے تمام روات ثقہ ہیں، اور امام، حافظ سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ) کا مختصر تعارف درج ذیل ہیں:

- امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) نے کہا: "**ما رأيت أحدا أصدق من سليمان التيمى**"۔
- امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) نے کہا: "**حفاظ البصريين ثلاثة: سليمان التيمى، وعاصم الأحول، و داود بن أبى هند. و كان عاصم أحفظهم**"۔
- حافظ ابن علیہؒ (م ۱۹۳ھ): "**سألت ابن علية عن حفاظ البصرة. فذكر منهم سليمان التيمى**"۔
- امام یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ): "**كان يحيى بن سعيد يثني على التيمي إذا ذكره، و كان يقدمه على عاصم الأحول**"۔
- امام یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے کہا: "**أَيوب ويونُس بن عُبَيد، وابن عَون، هؤلاء خيار النَّاس، أَو كما قال، وسُلَيمان التَّيمي أَيضًا كمثلهم**"۔
- حافظ عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) نے کہا: "**تابعي، ثقة، وكان من خيار أهل البصرة**"۔
- امام، حافظ ابو مسلم، ابراہیم بن عبد اللہ **الکجی**ؒ (م ۲۹۲ھ) نے کہا: "**كان من عباد أهل البصرة، ثقة، حافظا ثابتا على السنة**"۔
- حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے کہا: "**كان من عباد أهل البصرة و صالحيهم، ثقة و إتقانا، و حفظا، و سنة**"۔
- امام دار قطنیؒ (م ۳۸۵ھ) نے کہا: "**رجل ثقة حافظ**"۔

- حافظ الحسین بن محمد، ابو علی الغسانی الجیانیؒ (م ۴۹۸؁ھ) نے کہا: " **أحد الفضلاء الأثبات** "۔

- امام الحسین بن ابراہیم، ابو عبد اللہ الجورقانیؒ (م ۵۴۳؁ھ) نے کہا: "**ثقة، ثبت**"۔

- حافظ ابو سعد سمعانیؒ (م ۵۶۲؁ھ) نے کہا: "**كان من عباد أهل البصرة و صالحيهم، ثقة و إتقانا و حفظا و سنة** "۔

- حافظ سبط ابن الجوزیؒ (م ۶۵۴؁ھ) نے کہا: " **اتّفقوا على صدقه و ثقته و أمانته و زهادته** "۔

- حافظ ابن عبد الہادیؒ (م ۷۴۴؁ھ) نے کہا: " **الإمامُ الحافظ، شيخ الإسلام**"

- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸؁ھ) نے نزدیک بھی سلیمان التیمیؒ: " **الثقة، الثبت، الحافظ الإمام شيخ الإسلام** " ہیں۔

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲؁ھ) نے کہا: " **ثقة، ثبت، عابد، فاضل، أحد سادة التابعين علمًا و عملًا** "۔

- امام ابن العماد الحنبلیؒ (م ۱۰۸۹؁ھ) نے کہا: " **الحافظ الإمام، أحد مشايخ الإسلام** "۔

- شیخ محمد امین الھرری المکی نے امام مسلم کے قول '**فقال مسلم: تريد أحفظ من سليمان**' کی شرح میں کہا:

(فقال) له (مسلم) في الرد عليه أ (تريد) و تطلب (أحفظ) و أوثق (من سليمان) فإنه من أوثق الناس فزيادته مقبولة يعني أن سليمان كامل الحفظ و الضبط۔

- موجودہ دور کے سلفی عالم و محدث، شیخ ابو اسحاق الحوینی نے کہا: " **و كان ثقة، ثبتًا، حافظاً، حجتاً، متقنًا من أثبت أهل البصرة**"۔

(تہذیب التہذیب: ج ۴: ص ۲۰۲، سوالات ابن طہمان لابن معین: رقم ۲۴۳، معرفة الثقات للعجلی: رقم ۶۱۳، اکمال تہذیب الکمال: ج ۶: ص ۷۰-۷۲، الجامع في الجرح و التعديل: ج ۱: ص ۳۳۹، علل الدار قطنی: ج ۷: ص ۲۵۴، الاباطیل للجورقانی: ج ۱: ص ۲: ص ۲۸۵، الانساب للسمعانی: ج ۳: ص ۱۲۴، شذرات الذہب: ج ۲: ص ۱۹۹، مرآة الزمان: ج ۱۲: ص ۱۱۶، طبقات علماء حدیث لابن عبد الہادی: ج ۱: ص ۲۳۵، میزان الاعتدال: ج ۲: ص ۲۱۲،

المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبی: ج۱: ص ۳۴۳، وغیرہ، تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ج۱: ص ۱۱۳، تحفة اللبيب بمن تكلم فيهم الحافظ ابن حجر من الرواة في غير «التقريب»: ج۱: ص ۴۲۶، الکوکب الوھاج للھرری: ج۷: ص ۱۳۰، شل النبال: ج۲: ص ۱۱۵)

ان تمام ائمہ و علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ حافظ سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ) ثقہ، ثبت، امام، حافظ، حجت، متقن، اوثق الناس، کامل الحفظ اور کامل الضبط تھے۔

اور ثقہ، ثبت، امام، حافظ، حجت، متقن، اوثق الناس، **کامل الحفظ** اور کامل الضبط کی زیادت مقبول ہے۔ جس کا اقرار خود غیر مقلد عالم، شیخ زبیر علی زئی کر چکے ہیں اور اس حدیث کا موصوف نے مکمل دفاع بھی کیا ہے۔ **(الاعتصام: ج۶۰: ش ۴۵: ۱۴ تا ۲۰ نومبر ۱۵، ۲۰۰۸ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۱۸)**

نوٹ:

علی زئی صاحب کے مضمون کی [فوٹو اسٹیٹ، PHOTOSTAT] اس شمارے کے اخیر میں چسپاں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حافظ سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ) ثقہ، ثبت، امام، حافظ، حجت، متقن، اوثق الناس، کامل الحفظ اور کامل الضبط تھے اور ان کی زیادت مقبول ہے۔

نیز غیر مقلد عالم زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں:

یاد رہے کہ ثقہ راویوں کی متصل روایات میں اصل عدمِ شذوذ اور عدمِ علت ہے اِلا یہ کہ دلیلِ قوی سے شذوذ یا معلول ہونا ثابت ہو جائے، ایک استاد کے شاگروں میں سے کوئی شاگر سند یا متن میں کوئی اضافہ بیان کرے جسے دوسرے بیان نہیں کرتے، تو اسے زیادت کہا جاتا ہے۔

اگر زیادت بیان کرنے والا ثقہ ہو تو قولِ راجح میں یہ زیادت مقبول ہوتی ہے بشر طیکہ اس میں ثقہ راویوں یا اوثق کی ایسی مخالفت نہ ہو، جس میں تطبیق ممکن نہ ہو۔ **(ہفت روزہ الاعتصام: ۲۱ تا ۲۷ نومبر ۲۰۰۸، ۲۲ ذی قاعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۲۲-۲۳)**

نیز موصوف آگے کہتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت کے بارے میں محدثین کرام اور علمائے حق کے اور بھی بہت سے اقوال و حوالے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ثقہ راوی کا اضافہ (زیادت) اگر ثقہ راویوں اور اوثق کے منافی نہ ہو (جس میں تطبیق نہ ہو سکے) تو یہ اضافہ (زیادت) مقبول ہے اور خبیب صاحب **کا ثقہ و اوثق راویوں کے عدم ذکر کو شذوذ کی دلیل بنا لینا صحیح نہیں ہے۔** **(ہفت روزہ الاعتصام: ۲۸ نومبر تا ۴ دسمبر ۲۰۰۸، ۲۹ ذی قاعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۱۲)**

لہذا سلیمان التیمیؒ **(م ۱۴۳ھ)** کی روایت "**إذاقرأ فأنصتوا**" کے الفاظ کے ساتھ صحیح اور مقبول ہے، کیونکہ وہ ثقہ کی زیادتی ہے، نہ کہ اوثق کی مخالفت، اور اس کو اوثق کی مخالفت کہنا غیر صحیح اور مردود ہے۔

اس پر مزید کچھ ائمہ محدثین کے حوالے بھی ملاحظہ فرمائیے:

(۱) محدث عینیؒ **(م ۸۵۵ھ)** کہتے ہیں کہ " **أیضا هذه الزیادة من ثقة، وزیادة الثقة مقبولة** " یہ زیادتی ثقہ کی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ **(شرح ابو داود للعینی: ج ۳: ص ۱۱۸)**

(۲) حافظ ماردینیؒ **(م ۷۵۰ھ)** نے بھی کہا کہ " **لا نسلم انه خالفهم بل زاد علیهم وزیادة الثقة مقبولة** " ہم تسلیم نہیں کرتے کہ سلیمان التیمیؒ نے ان (اصحاب قتادہ) کی مخالفت کی ہے، بلکہ انہوں نے زیادتی بیان کی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ **(الجوہر النقی: ج ۲: ص ۱۵۵)**

(۳) حافظ المغرب، امام ابن عبد البرؒ **(م ۴۶۳ھ)** نے کہا: "**لم یخالفهما من هو أحفظ منهما فوجب قبول زیادتهما**" کہ التیمیؒ اور ابن عجلانؒ کی مخالفت، ان سے زیادہ حافظہ والے نے نہیں کی، لہذا ان دونوں کی زیادتی قبول کرنا واجب ہے۔ **(التمہید لابن عبد البر: ج ۱۱: ص ۳۴)**

(۴) ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے کہا: ''**لم يخالفهم في ذَلِك أحدهُوَ أتقى مِنْهُم فزيادتهم مَقْبُولَة**''۔ (**مختصر اختلاف العلماء للطحاوی: ج ۱: ص ۲۰۶**)

(۵) حافظ ابن المنذرؒ (م ۳۱۹ھ) نے کہا: ''**وقد تكلم متكلم في حديث أبي موسى الأشعري وقال: قوله: «فإذا قرأ فأنصتوا»، إنما قاله سليمان التيمي. قال أبو بكر: وإذا زاد الحافظ في الحديث حرفا وجب قبوله، وتكون زيادة كحديث يتفرد به، وهذا مذهب كثير من أهل العلم في كثير من أبواب الشهادات، وغير ذلك، ولما اختلف أسامة، وبلال في صلاة النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة، فحكم الناس لبلال؛ لأنه يثبت أمر انفاه أسامة، كانت كذلك رواية التيمي؛ لأنه أثبت شيئا لم يذكره غيره**''۔ (**الاوسط الابن المنذر: ج ۳: ص ۱۰۵**)

(۶) حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے کہا: ''**منهم من ذكرها، وهي زيادة في الثقة، لا تخالف المزيد، بل توافق معناه، ولهذا رواه مسلم في صحيحه**''۔ (**الفتاوی الکبری لابن تیمیہ: ج ۲: ص ۲۹۰**)

لہٰذا معلوم ہوا کہ ائمہ کے نزدیک بھی ''**إذا قرأ فأنصتوا**'' کے الفاظ زیادتی ہے، مخالفت نہیں۔

کچھ شبہات کا ازالہ:

شبہ نمبر ۱:

امام ابو حاتم الرازیؒ (م ۲۷۷ھ) کہتے ہیں کہ سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ)، ایوب سختیانیؒ، ابن عونؒ، یونسؒ، کے مقام کو نہیں پا سکے۔ (**الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم**)

الجواب:

جب امام الجرح والتعدیل، یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ) کو ایوبؒ، ابن عونؒ، یونس کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح حافظ عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) نے سلیمانؒ کو اہل بصرہ میں سب سے بہتر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حوالہ

گزر چکا۔ اور ایوبؒ، ابن عونؒ، یونسؒ وغیرہ بھی بصری ہیں۔ اور غیر مقلدین حضرات کا اصول ہے کہ متقدمین کے مقابلے میں متاخرین کی بات قابل مسموع بھی نہیں ہوتی ہے۔ **(نور العینین: ص ۱۳۷)**، لہذا امام ابو حاتمؒ کا قول " **لا يبلغ التيمي منزلة أيوب ويونس وابن عون** " محل نظر ہے۔

شبہ نمبر ۲ :

مولانا اثری صاحب کہتے ہیں کہ سلیمان التیمیؒ ثقہ تھے، احفظ اور ثبت نہ تھے۔ **(توضیح الکلام: ص ۶۶۷)**

الجواب:

امام، حافظ ابو مسلم، ابراہیم بن عبد اللہ **الکجی**ؒ **(م ۲۹۲ھ)** نے کہا: سلیمانؒ اہل بصرہ کے عبادت گزاروں میں سے تھے، ثقہ، حافظ الحدیث، سنت پر ثابت تھے - حافظ ابن حبانؒ **(م ۳۵۴ھ)** نے کہا: " **كان من عباد أهل البصرة و صالحيهم، ثقة و إتقانا، و حفظا، و سنة** " سلیمانؒ اہل بصرہ کے عبادت گزار اور نیک لوگوں میں سے تھے، ثقہ، متقن، حافظہ والے اور صاحب سنت تھے۔ یہی بات حافظ ابو سعد السمعانیؒ **(م ۵۶۲ھ)** نے بھی کہی ہے۔

حافظ الحسین بن محمد، ابو علی الغسانی الجیانیؒ **(م ۴۹۸ھ)** نے کہا: " **أحد الفضلاء الأثبات** "۔ امام الحسین بن ابراہیم، ابو عبد اللہ الجورقانیؒ **(م ۵۴۳ھ)** نے کہا: "**ثقة، ثبت**"۔

حافظ سبط ابن الجوزیؒ **(م ۶۵۴ھ)** نے کہا: " **اتّفقوا على صدقه وثقته وأمانته وزهادته** "۔ حافظ ذہبیؒ **(م ۷۴۸ھ)** نے نزدیک بھی سلیمان التیمیؒ: "**الثقة، الثبت، الحافظ الإمام شيخ الإسلام** " ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ **(م ۸۵۲ھ)** نے کہا: " **ثقة، ثبت، عابد، فاضل، أحد سادة التابعين علمًا وعملًا** "۔

شیخ محمد امین الھرری المکی نے امام مسلم کے قول '**فقال مسلم: تريد أحفظ من سليمان**' کی شرح میں کہا:

(فقال) له (مسلم) في الرد عليه أ (تريد) وتطلب (أحفظ) و أوثق (من سليمان) فإنه من أوثق الناس فزيادته مقبولة يعني أن سليمان كامل الحفظ و الضبط۔ موجودہ دور کے سلفی عالم و محدث، شیخ ابو اسحاق الحوینی نے کہا: " **و كان ثقة، ثبتًا، حافظاً، حجتاً، متقنًا من أثبت أهل البصرة**"۔

نوٹ:

ان سب اقوال کے حوالے گزر چکے۔

لہذا اثری صاحب کا یہ کہنا کہ سلیمانؒ ثبت نہ تھے، ائمہ کے اقوال سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اور '**احفظ**' کا جواب آگے آرہا ہے۔

شبہ نمبر ۳ :

اثری صاحب کہتے ہیں کہ ہم حافظ ابو بکر الاثرمؒ [1] کے حوالہ سے ذکر آئے ہیں کہ سلیمانؒ ثقہ ہیں، مگر قتادۃؒ کے حفاظ تلامذہ میں شمار نہیں ہوتے تھے۔ کسی راوی کا ثقہ اور حافظ ہونا اور بات ہے، مگر کسی مخصوص استاد سے روایت میں ثقہ اور حافظ ہونا اور بات ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۲۶۷)**

الجواب:

یعنی اثری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ائمہ نے قتادۃ کے تلامذہ میں سلیمان التیمیؒ **(م ۱۴۳ھ)** کو حافظ نہیں مانا، حالانکہ امام مسلمؒ **(م ۲۶۱ھ)** نے سلیمان التیمیؒ **(م ۱۴۳ھ)** کو قتادہؒ **(م ۱۱۸ھ)** کے تلامذہ میں حافظ بلکہ 'احفظ' مانا ہے۔

چنانچہ "**سليمان التيمی عن قتادة**" کی اسی روایت کے بارے میں جب امام مسلمؒ سے ان کے شاگرد غالباً ثقہ، حافظ الحدیث ابو بکر الجارودی النیساپوریؒ **(م ۲۹۳ھ)** نے اعتراض کیا، تو امام مسلمؒ **(م ۲۶۱ھ)** نے جواب دیا: کہ "**تريد أحفظ من سليمان**" تو سلیمان التیمیؒ سے زیادہ حافظہ والے کو چاہتا ہے ؟؟۔

---

[1] امام الاثرمؒ **(م ۲۷۳ھ)** کے حوالہ کا جواب آگے آرہا ہے۔

ثابت ہوا کہ امام مسلمؒ سلیمان التیمیؒ (م۱۴۳ھ) کو قتادہؒ (م۱۱۸ھ) کے تلامذہ میں 'احفظ' مانتے ہیں۔

اور آگے امام مسلمؒ نے کہا: " **إنماوضعت هاهنا ما أجمعوا عليه** " یعنی میں جو احادیث بھی صحیح مسلم میں ذکر کی ہے، وہ تمام کی تمام ان محدثین کی نزدیک صحیح ہے۔ (**صحیح مسلم: ج۱: ص۳۰۴**) اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کو بھی اپنی "**الصحیح**" میں ذکر کی ہے، جیسا کہ حوالہ گزر چکا۔

اور ائمہ حدیث نے صراحت کی ہے کہ امام مسلم کے قول "**ما أجمعوا عليه**" سے مراد امام یحیی بن معینؒ (م۲۳۳ھ)، امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ)، امام علی بن المدینیؒ (م۲۳۵ھ)، امام سعید بن منصور الخراسانیؒ (م۲۲۷ھ)، امام عثمان بن ابی شیبہؒ (م۲۳۹ھ) وغیرہ مراد ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری بحوالہ **احسن الکلام: ص ۲۵۹**)[2]

معلوم ہوا کہ ان ائمہ کے نزدیک بھی سلیمان التیمیؒ، قتادہؒ کی روایت میں ثقہ، حافظ ہیں اور یہ حدیث بھی ان کے نزدیک صحیح ہے۔

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ ان ائمہ میں سے کسی نے بھی اس حدیث پر کلام نہیں کیا۔ واللہ اعلم

لہذا اثری صاحب کا یہ کہنا کہ " سلیمانؒ ثقہ ہیں، مگر قتادہؒ کے حفاظ تلامذہ میں شمار نہیں ہوتے تھے" باطل و مردود ہے۔

نیز اثری صاحب یہ کہنا "کسی راوی کا ثقہ اور حافظ ہونا اور بات ہے، مگر کسی مخصوص استاد سے روایت میں ثقہ اور حافظ ہونا اور بات ہے" بھی باطل و مردود ہے۔

---

[2] **نوٹ:**

اس سے معلوم ہوا کہ امام مسلمؒ کے نزدیک امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ) اور دیگر ائمہ محدثین، اس حدیث کو صحیح کہنے والوں میں شمار ہوتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

کیونکہ جب کسی کے بارے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ثقہ ہے، تو وہ اپنے تمام شیوخ میں مطلقاً ثقہ ہو گا، الا **یہ کہ کسی خاص شیخ کی روایت میں کوئی تضعیف ثابت ہوئی ہو۔**

پس جب تک کسی خاص **شیخ کی روایت میں کوئی تضعیف ثابت نہیں ہوتی**، وہ راوی اپنے تمام شیوخ میں مطلقاً ثقہ ہو گا، اور ایسی صورت میں اس ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہو گی۔

چونکہ متقدمین ائمہ محدثین کے نزدیک سلیمان التیمیؒ دیگر شیوخ کے ساتھ ساتھ قتادۃؒ کی روایت میں ثقہ اور احفظ ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، لہذا ان کی زیادتی بھی مقبول ہو گی۔[3]

پھر اثری صاحب کا آگے یہ کہنا کہ "انکار ان کے حفظ وضبط کا نہیں، قتادہؒ کی روایت میں حفاظ کی **مخالفت** پر ان کے تفرد کا انکار ہے" بھی بڑا عجیب ہے کیونکہ جب ان کے نزدیک انکار ان کے (یعنی سلیمان التیمیؒ کے) حفظ وضبط کا نہیں ہے یعنی جب اثری کے نزدیک سلیمان التیمیؒ کامل الحفظ وکامل الضبط ہیں، تو ان کے نزدیک

- سلیمانؒ کو ثبت، حجت نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟؟ جب کہ ائمہ بلکہ سلفی علماء نے بھی ان کو ثقہ، ثبت، حجت، متقن قرار دیا ہے، جیسا کہ حوالے گزر چکے،
- ان کے تفرد کو قبول نہ کرنے کی وجہ کیا ہے، جب کہ ان کے حفظ اور ضبط پر اثری صاحب بھی مطمئن ہیں اور ائمہ نے بھی ان کی زیادتی کو قبول کیا ہے۔

---

[3] امام، حافظ اثرمؒ (م ۲۷۳ھ) نے سب پہلے قتادہ کی روایات میں التیمیؒ پر مطلقاً کلام کیا ہے، حالانکہ ان سے پہلے کہ متقدمین ائمہ امام یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)، امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۵ھ)، امام سعید بن منصور الخراسانیؒ (م ۲۲۷ھ)، امام عثمان بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۹ھ)، امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) وغیرہ نے قتادہ کی روایات میں سلیمان التیمیؒ کو ثقہ مانا ہے۔ لہذا دیگر ائمہ کے مقابلے میں اثرمؒ کا قول مرجوح ہے، نیز جن علتوں کی وجہ انہوں نے قتادہ کی روایات میں التیمیؒ مطلقاً پر کلام کیا ہے، وہ تمام علل کا جواب آگے آرہا ہے۔ اور امام احمدؒ بھی اس حدیث کے **مصححین** میں شمار ہوتے ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

نیز اثری صاحب کا "**إذا قرأ فأنصتوا**" کے الفاظ کو **مخالفت کہنا** بھی محل نظر بلکہ باطل و مردود ہے، یہ مخالفت نہیں زیادتی ہے، جس کا اقرار غیر مقلدین بھی کرتے ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

لہذا اثری صاحب کے تمام اعتراضات باطل و مردود ہیں۔[4]

شبہ نمبر ۴ : (امام اثرمؒ کی عبارت کا جواب)

ثقہ، حافظ الحدیث، امام ابو بکر الاثرمؒ (**م ۲۷۳؁ھ**) کا ایک طویل کلام، اثری صاحب نے شرح علل الترمذی لابن رجب سے نقل کیا ہے کہ:

سلمان التیمیؒ ثقات میں سے ہیں، لیکن وہ قتادہؒ کی حدیث کو قائم نہیں رکھ سکے اور یہ بھی کہا ہے کہ سلیمان التیمی قتادہؒ کے حفاظ تلامذہ میں سے نہ تھے اور ان کی کچھ ایسی احادیث بھی ذکر کی ہیں، جن میں قتادہؒ کی روایت میں انہیں وہم ہو گیا ہے۔

---

[4] اثری صاحب نے قتادہؒ کے دیگر حفاظ تلامذہ کی اعلی توثیق تقریب لابن حجر سے حوالہ سے ذکر کی اور کہا کہ ابن ابی عروبہ، شعبہ، معمر، ہشام وغیرہ ثقہ، ثبت، فاضل ہیں، جب کہ سلیمان التیمی کے بارے میں حافظ نے تقریب میں ثقہ، عابد لکھا ہے۔ لہذا سلیمان کے مقابلے یہ حضرات زیادہ ثقہ، ثبت ہیں۔ (**تلخیص اتوضیح الکلام: ص ۶۶۷**) حالانکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (**م ۸۵۲؁ھ**) سلیمان التیمیؒ کو ثقہ، عابد کہنے کے ساتھ ساتھ اپنی دیگر کتابوں میں ثبت، **فاضل، أحد سادة التابعين علمًا وعملًا** کہا ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (**م ۸۵۲؁ھ**) کے نزدیک شعبہ، معمر، ہشام رحمہم اللہ کی طرح سلیمان التیمیؒ بھی ثقہ، ثبت، فاضل ہیں۔ واللہ اعلم

اور اثری صاحب کا یہ موازنہ مبنی بر انصاف نہیں۔

ان میں سے ایک، قتادہ عن یونس عن حطان عن ابی موسی کے طریق سے ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور اس میں اس نے یہ لفظ بھی کہے ہیں "**إذا قرأ فأنصتوا**" حالانکہ یہ الفاظ قتادہ کے حفاظ شاگرد ذکر نہیں کرتے۔

انہی احادیث میں سے یہ ہے کہ انہوں نے قتادہؒ عن انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ نماز اور غلاموں کا خیال رکھنا اور یہ خطاء فاحش ہے۔ (کیونکہ قتادہ نے اس حدیث کو ابو الخلیل عن سفینۃ عن ام سلمۃ عن النبی ﷺ سے نقل کیا ہے)

اور انہی میں وہ روایت بھی ہے جسے انہوں نے قتادہ عن یونس بن جبیر عن رجل من اصحاب النبی کے طریق سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ حالانکہ قتادہؒ نے اسے انسؓ سے روایت کیا ہے۔

اور انہی میں سے، ان کی ایک وہ روایت ہے جو انہوں نے قتادہؒ سے بواسطہ ابو رافع بیان کی ہے۔ حالانکہ قتادہؒ نے ابو رافع سے کچھ نہیں سنا۔

اور امام اثرمؒ نے العلل میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے یہ تمام کلام امام احمدؒ پر پیش کیا، تو انھوں نے فرمایا: یہ اضطراب ہے اور اسی طرح مجھے یاد ہے۔

اس کے بعد اثری صاحب کہتے ہیں کہ لیجئے امام ابو بکرؒ، سلیمانؒ کی صرف اسی روایت "**إذا قرأ فأنصتوا**" پر کلام نہیں کرتے بلکہ اس کے علاوہ بھی قتادہؒ سے ان کی روایات میں کلام کرتے ہیں۔ **(توضیح الکلام: ص ۶۶۷-۶۶۸)**

اور موصوف اثری صاحب نے امام ابو بکر الاثرمؒ کا یہ حوالہ جگہ جگہ نقل کر کے یہی بات کہی کہ قتادہ کے حفاظ تلامذہ میں سلیمان التیمیؒ کا شمار نہیں ہوتا۔

الجواب:

امام اثرمؒ (م۲۷۳ھ) نے سب سے پہلے قتادہ کی روایات میں التیمیؒ پر مطلقاً کلام کیا ہے، جبکہ ان سے پہلے کسی امام نے بھی مطلقاً یہ نہیں کہا کہ قتادہ کی احادیث میں سلیمان التیمیؒ کو وہم ہوا ہے، وہ ان کی احادیث قائم نہیں رکھ سکے، وہ ان کے حفاظ تلامذہ میں کا شمار نہیں ہوتے۔[5]

---

[5] اثری صاحب نے امام عمرو بن علی الفلاسؒ (م۲۴۹ھ) کا حوالہ ذکر کیا ہے کہ قتادہ کے اصحاب میں الاثبات ابن ابی عروبہ، شعبہ، ہشام اور ہمام ہیں۔ (ص:۶۶۷)، حالانکہ خود غیر مقلدین کا اصول ہے کہ عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہے۔ (**نور العینین:۵۸**)، لہذا سلیمان التیمیؒ کا ذکر نہ کرنا، قتادہ کے شاگردوں میں ان کا ثبت نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

نیز اثری صاحب نے اس حدیث میں موجود "**إذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادتی پر متکلمین کی فہرست میں امام بخاریؒ (م۲۵۶ھ) کو بھی ذکر کیا ہے۔ (**ایضا: ص ۶۶۵**)، جبکہ کتاب جزء القراءۃ امام بخاریؒ سے سنداً ثابت ہی نہیں ہے۔

لہذا جو حضرات ہم سے موطا امام محمد، کتاب الآثار بروایت امام ابی یوسف و امام محمد، الفقہ الاکبر للامام ابی حنیفۃ، کتاب الوصایۃ للامام ابی حنیفۃ، تاریخ یحیی بن معین بروایت ابن محرز، شرح اعتقاد اصول اہل سنۃ، المدونۃ الکبری، فضائل ابی حنیفۃ لابن ابی العوام وغیرہ کئی کتابوں کو نہیں مانتے اور ان کتب کی صحیح اسناد کا سوال کرتے ہیں، ان سے گزارش ہے کہ پہلے وہ امام بخاریؒ سے یہ کتاب جزء القراءۃ ثابت کریں۔

پھر امام بخاریؒ (م۲۵۶ھ) نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ قتادہ کی احادیث میں سلیمان التیمیؒ کو وہم ہوا ہے، یا وہ ان کی احادیث قائم نہیں رکھ سکے، یا وہ ان کے حفاظ تلامذہ میں کا شمار نہیں ہوتے، وغیرہ وغیرہ بلکہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

وروى سليمان التيمي، وعمر بن عامر، عن قتادة، عن يونس بن جبير، عن عطاء، عن موسى في حديثه الطويل عن النبي صلى الله عليه وسلم: «إذا قرأ فأنصتوا» ولم يذكر سليمان في هذه الزيادة سماعا من قتادة، ولا قتادة من يونس بن جبير وروى هشام، وسعيد، وهمام، وأبو عوانة وأبان بن يزيد، وعبيدة، عن قتادة، ولم يذكروا: «إذا قرأ فأنصتوا» ولو صح لكان يحتمل سوى فاتحة الكتاب۔ (جز القراءۃ المنسوب للبخاری: ص ۶۲)،

نیز حافظ ابن تیمیہؒ (م۷۲۸ھ) نے امام بخاریؒ سے منسوب جرح کو رد بھی کر دیا ہے۔ (**مجموع الفتاوی: ج ۲۲: ص ۳۴۰**)

بلکہ ان سے پہلے کے ائمہ نے قتادہ کی روایات میں سلیمان التیمیؒ کو ثقہ مانا ہے، خاص طور پر اس روایت "**إذا قرأ فأنصتوا**" کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

اور امام ابو بکر الاثرمؒ (م ۲۷۳ھ) نے جن وجوہات کی بنا پر قتادہ کی روایات میں التیمیؒ پر مطلقاً کلام کیا ہے، وہ وجوہات ہی غیر صحیحہ اور مرجوحہ ہیں، وجوہات مع جوابات ملاحظہ فرمایئے :

وجہ نمبر ۱:

امام الاثرمؒ (م ۲۷۳ھ) نے کہا: قتادہ عن یونس عن حطان عن ابی موسی کی طریق سے ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور اس میں انہوں نے یہ لفظ بھی کہے ہیں "**إذا قرأ فأنصتوا**" حالانکہ یہ الفاظ قتادہ کے حفاظ شاگرد ذکر نہیں کرتے۔

الجواب:

"**إذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادت نقل کرنے میں سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ) منفرد نہیں ہیں، ان کی متابعت میں کئی راوی موجود ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وجہ نمبر ۲ :

امام الاثرمؒ (م ۲۷۳ھ) نے کہا: انہی احادیث میں سے یہ ہے کہ انہوں نے قتادہؒ عن انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ نماز اور غلاموں کا خیال رکھنا اور یہ خطاء فاحش ہے۔ (کیونکہ قتادہ نے اس حدیث کو ابو الخلیل عن سفینۃ عن ام سلمۃ عن النبی ﷺ سے نقل کیا ہے)

الجواب:

حضرت انس بن مالکؓ سے یہ روایت نقل کرنے میں سلیمان التیمیؒ (م۱۴۳ھ) منفرد نہیں ہیں، بلکہ ان کی طرح شعبہؒ (م۱۶۰ھ)، السری بن یحییؒ (م۱۶۷ھ)، بشر بن منصور **السلیمی**ؒ (م۱۸۰ھ) وغیرہ نے بھی ثابت البنانیؒ عن انسؓ کی طریق سے یہی روایت نقل کی ہے۔ **(اطراف الغرائب للدارقطنی: ج۲: ص۳۶، شعب الایمان: ج۱۳: ص۴۰۴)**

معلوم ہوا کہ حدیث "**الصلاة وما ملكت أيمانكم**" انسؓ سے مروی ہے، اور اس کو انسؓ سے نقل کرنے میں سلیمان التیمیؒ منفرد نہیں ہیں، لہذا اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ثابت البنانیؒ (م۱۲۹ھ) کے دیگر اصحاب کی طرح قتادہؒ نے بھی ان سے یہ روایت سنی ہو، اور پھر اس کو ثابتؒ سے تدلیس کرتے ہوئے، سلیمان التیمیؒ کے سامنے، عن انس سے ذکر کی ہو۔

کیونکہ اسی حدیث کی ایک سند سنن الکبری للنسائی میں اس طرح آئی ہے کہ:

قال النسائی أخبرني هلال بن العلاء، قال: حدثنا الخطابي، قال: حدثنا المعتمر، قال: سمعت أبي، عن قتادة، عن صاحب له عن أنس، نحوه۔ (ج۶: ص۳۸۷)

اس روایت میں قتادہؒ کے استاذ اور انسؓ کے شاگرد یعنی "**صاحب له**" ثقہ، امام ثابت البنانیؒ (م۱۲۹ھ) ہیں، کیونکہ ائمہ نے صراحت کی ہے کہ قتادہؒ، ثابتؒ کے شاگرد ہیں۔ **(تہذیب الکمال: ج۴: ص۳۴۶)** اور اس روایت کو انسؓ سے ثابتؒ نے ہی روایت کیا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

لہذا یہاں "**صاحب له**" سے مراد ثابت البنانیؒ (م۱۲۹ھ) ہیں، اور حضرت انس بن مالکؓ سے یہ روایت نقل کرنے میں سلیمان التیمیؒ (م۱۴۳ھ) منفرد نہیں ہیں۔

نوٹ:

یہی روایت کی ایک سند طبقات ابن سعد میں ہے، چنانچہ امام ابن سعدؒ (م۲۳۰ھ) کہتے ہیں کہ:

" **أخبرنا وكيع بن الجراح عن سفيان الثوري عن سليمان التيمي عن من سمع أنس بن مالك يقول: كانت عامة وصية رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وهو يغرغر بنفسه الصلاة وما ملكت أيمانكم** "۔(ج۲: ص۱۹۵، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

اور یہاں "**عن من سمع أنس بن مالك**" سے مراد قتادہؒ (م۱۱۹؁) نہیں ہیں، کیونکہ سنن کبری للنسائی کی روایت سے معلوم ہوا کہ قتادہؒ (م۱۱۹؁) نے یہ حدیث انسؓ سے نہیں سنی، بلکہ انہوں نے یہ روایت اپنے ساتھی اور استاذ ثابت البنانیؒ (م۱۲۹؁) سے سنی ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

نیز قتادہؒ کی طرح، سلیمان التیمیؒ (م۱۴۳؁) بھی ثابت البنانیؒ (م۱۲۹؁) کے شاگرد ہیں۔(**تہذیب الکمال: ج۱۲: ص۶**) لہذا یہاں بھی "**عن من سمع أنس بن مالك**" سے مراد ثابت البنانیؒ (م۱۲۹؁) ہی ہیں۔ واللہ اعلم

یعنی سلیمان التیمیؒ نے یہ روایت قتادہؒ (م۱۱۹؁) اور ثابت البنانیؒ (م۱۲۹؁)، دونوں سے نقل کی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام نسائیؒ (م۳۰۳؁) کا اس حدیث کے تعلق سے یہ قول "**سليمان التيمي: لم يسمع هذا الحديث من أنس**" بالکل صحیح ہے۔

ایک اہم تنبیہ:

سلیمان التیمیؒ (م۱۴۳؁) بالجزم یہ ساری تفصیل نقل کر رہے ہیں، جو کہ ان کے قوي الضبط اور احفظ ہونے کی دلیل ہے، کیا یہ بات بھی اس حدیث کا بطریق سلیمان عن قتادۃ عن ثابت عن انس سے، صحیح اور محفوظ ہونے کے لئے کافی نہیں ہے ؟؟؟

خاص طور سے جب کہ یہ روایت سلیمان التیمی عن ثابت عن انسؓ سے ثابت ہو چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قتادہ سے یہ روایت نقل کرنے میں سلیمان التیمیؒ (م۱۴۳؁) کو وہم نہیں ہوا۔

وجہ نمبر ۳:

امام الاثرمؒ (م۲۷۳ھ) نے کہا: سلیمان نے قتادہ عن یونس بن جبیر عن رجل من اصحاب النبی کے طریق سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ تھے، پہاڑ ہلنے لگا، حالانکہ قتادہؒ نے اسے انسؓ سے روایت کیا ہے۔

الجواب:

سعید بن ابی عروبہؒ (م۱۵۷ھ) کی روایت:

قال ابن ابی عاصم فی کتابه السنة : حدثنا عبد الأعلی بن حماد، ثنا یزید بن زریع، عن سعید بن أبي عروبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك، أن النبي صلى الله عليه وسلم صعد أحدا، واتبعه أبو بكر وعمر وعثمان، فرجف بهم، فضربه رسول الله صلى الله عليه وسلم برجله، وقال: اثبت أحد إنما عليك نبي، وصديق، وشهيدان۔

سلیمان التیمیؒ (م۱۴۳ھ) کی روایت:

قال ابن ابی عاصم فی کتابه السنة: حدثنا عاصم الأحول، ثنا معتمر، عن أبيه، عن قتادة، عن أبي غلاب، عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، أن النبي صلى الله عليه وسلم، وأبا بكر، وعمر، وعثمان، كانوا على حراء، فرجف بهم، أو تحرك بهم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اثبت، فإنما عليك نبي، وصديق، وشهيدان۔ (ج۲: ص ۶۲۱)

میں کہتا ہوں کہ دونوں سندوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ سعید کی روایت میں قتادہؒ (م۱۱۹ھ) نے عن کے صیغہ کے ساتھ انسؓ سے روایت کیا ہے، لہذا یہاں قتادہؒ کی تدلیس کا احتمال ہے۔

جبکہ سلیمان التیمیؒ (م **۱۴۳ھ**) کی سند میں قتادہؒ کے ثقہ، شیخ ابو غلاب یونس بن جبیر الباہلیؒ (م **بعد ۹۰ھ**) کا ذکر ہے، تو یہاں اس روایت میں قتادہؒ نے ان سے تدلیس کی ہوگی اور رجل من اصحاب النبی ﷺ سے مراد ابو غلاب یونس بن جبیر الباہلیؒ (م **بعد ۹۰ھ**) کے شیخ حضرت انسؓ ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: ج ۲: ص ۱۱۹۰، مسند الحارث: ج ۱: ص ۱۹۶**)

لہذا دونوں سندوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

نوٹ:

اس تفصیل سے امام حاکمؒ (م **۴۰۵ھ**)، ثقہ، حافظ الحدیث، امام ابو عمرو الدانیؒ (م **۴۴۴ھ**) کی رائے کی تائید ہوتی ہے کہ قتادہؒ (م **۱۱۹ھ**) اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے تھے۔ (**معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ص ۱۰۳، رسالۃ فی رسوم الحدیث او جزء فی بیان علم الحدیث للدانی: ۱۱۷، طبع الدار المالکیۃ**)

وجہ نمبر ۴:

امام الاثرمؒ (م **۲۷۳ھ**) نے کہا: اور انہی (اوہام) میں سے ان کی ایک وہ روایت ہے جو انہوں نے قتادہؒ سے روایت کی کہ ابو رافع نے ان سے بیان کی ہے۔ حالانکہ قتادہؒ نے ابو رافع سے کچھ نہیں سنا۔

الجواب:

اس کا جواب تو حافظ ابن رجبؒ (م **۷۹۵ھ**) نے آگے نقل کر دیا کہ یہ روایت بخاری میں ہے۔ (**شرح علل الترمذی لابن رجب: ج ۲: ص ۷۹۰**) اور بخاری میں یہ روایت **حدیث نمبر ۷۵۵۶** پر موجود ہے۔

نیز خود اثری صاحب نے بھی اس کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م **۸۵۲ھ**) سے نقل کیا ہے کہ عدم سماع کا یہ (ابو داودؒ کا) قول کسی خاص روایت کے بارے میں ہے، ورنہ بخاری میں سماع کی تصریح ہے۔ (**توضیح الکلام: ص ۲۶۶**)

یعنی ائمہ محدثین نے سلیمان عن قتادہ کی اس روایت کو جس میں ابو رافع سے سماع کی تصریح موجود ہے، دیگر اصحاب کی روایت پر ترجیح دی ہے۔

لہذا یہ روایت بھی سلیمان التیمیؒ کے وہم پر دلالت نہیں کرتی۔

خلاصہ کلام:

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ثقہ، حافظ الحدیث، امام ابو بکر الاثرمؒ **(م ۲۷۳ھ)** نے جن وجوہات کی بنا پر قتادہ کی روایات میں التیمیؒ پر مطلقاً کلام کیا ہے، وہ وجوہات ہی غیر صحیحہ اور مرجوحہ ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

لہذا اثرمؒ **(م ۲۷۳ھ)** کا قول "**كان لا يقوم بحديث قتادة ولم يكن التيمي من الحفاظ، من أصحاب قتادة**" غیر صحیح، مرجوح اور نا قابل قبول ہے۔

صحیح اور ارجح قول یہی ہے کہ سلیمان التیمیؒ قتادہؒ کی روایت میں بھی احفظ ہیں، جیسا کہ امام مسلمؒ نے کہا ہے، اور امام بخاریؒ نے بھی التیمی عن قتادہ کی منفرد روایت کو اپنے کتاب الجامع الصحیح میں نقل کر کے صحیح قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ان کی منفرد روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

شبہ نمبر ۵ : (کیا امام احمدؒ نے اس روایت کو مضطرب کہا؟)

اثری صاحب کے نقل کردہ عبارت میں ہے کہ امام اثرم نے یہ ساری تفصیل امام احمدؒ کے سامنے پیش کیا تو امام احمدؒ نے کہا کہ یہ اضطراب ہے اور مجھے اسی طرح یہ یاد ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ واضح ہو جاتا ہے امام احمدؒ بھی "**إذا قرأ فأنصتوا**" کی حدیث کو مضطرب قرار دیتے ہیں۔ **(توضیح: ص ۲۶۶)**

الجواب:

پہلے حافظ ابن رجبؒ **(م ۷۹۵ھ)** کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

قال أبو بكر الأثرم في كتاب الناسخ والمنسوخ: كان التيمي من الثقات، ولكن كان لا يقوم بحديث قتادة.

وقال أيضاً: لم يكن التيمي من الحفاظ، من أصحاب قتادة.

وذكر له أحاديث وهم فيها عن قتادة.

منها حديثه عن قتادة، عن يونس بن جبير، عن حطان، عن أبي موسى عن النبي -صلى الله عليه وسلم- "إنما جعل الإمام ليؤتم به" قال فيه: "وإذا قرأ فأنصتوا"

ولم يذكر هذه اللفظة أحد من أصحاب قتادة (الحفاظ).

ومنها: إنه روى عن قتادة، عن أنس، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- أوصى عند موته بالصلاة وما ملكت أيمانكم.

وإنما رواه قتادة عن أبي الخليل عن سفينة عن النبي -صلى الله عليه وسلم-.

قال: وهذا خطأ فاحش.

ومنها أنه روى عن قتادة عن يونس بن جبير، عن رجل من أصحاب النبي -صلى الله عليه وسلم- "أنه -صلى الله عليه وسلم- صعد أحداً ومعه أبو بكر وعمر وعثمان فاهتز الجبل ... الحديث".

وإنما رواه عن قتادة عن أنس.

ومنها أنه روى عن قتادة "أن أبا رافع حدثه". ولم يسمع قتادة من أبي رافع شيئاً.

وقد ذكر الأثرم في العلل أنه عرض هذا الكلام كله على أحمد، قال: فقال أحمد: هذا اضطراب، هكذا حفظت۔ (شرح علل الترمذی لابن رجب: ج۲: ص۷۸۸-۷۹۰)

اس عبارت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "**هذا اضطراب**" سے "**إذا قرأ فأنصتوا**" کی خاص زیادتی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے اثرمؒ کی ذکر دہ روایات میں التیمیؒ کا تفرد مراد ہے کہ ان کا یہ تفرد باعث اضطراب معلوم ہوتا ہے۔

لیکن آگے امام احمدؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ان کی یہ روایت اسی طرح "**إذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادتی کے ساتھ) محفوظ ہے، یعنی امام احمدؒ ان روایات میں سلیمان التیمیؒ کے تفرد کے باوجود اپنے نزدیک اس زیادتی "**إذا قرأ فأنصتوا**" کو محفوظ مانا ہے۔

اور ''**ھکذا حفظت**'' کا جملہ بھی اختلافِ روایت کے وقت راوی کا اپنے نزدیک اپنے بیان کردہ الفاظ کے محفوظ ہونے پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ محدثین کے منہج سے واضح ہوتا ہے۔ دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری: ج۶: ص۱، مسند الشافعی ترتیب سنجر: ج۲: ص۲۴۱، مخطوطہ **الخطب** والمواعظ لابی عبید: ص۲۰۸، وغیرہ

نوٹ:

سوالات ابو طالب میں موجود ایک دوسری روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک یہ روایت ''**إذا قرأ فأنصتوا**'' کی زیادتی کے ساتھ محفوظ تھی، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

لہذا امام احمدؒ نے اس زیادتی ''**إذا قرأ فأنصتوا**'' کو مضطرب نہیں کہا، بلکہ ان کے نزدیک یہ زیادتی محفوظ ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ:

- امام الاثرمؒ (**م۲۷۳ھ**) نے ان سے پوچھا کہ:

قلت لأحمد بن حنبل من يقول عن النبي صلى الله عليه وسلم من وجه صحيح إذا قرأ الإمام فأنصتوا فقال حديث ابن عجلان الذي يرويه أبو خالد والحديث الذي رواه جرير عن التيمي۔

صحیح سند سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ''**إذا قرأ فأنصتوا**'' کس نے کہا؟ تو امام احمدؒ نے کہا: کہ ابو خالد الاحمر عن ابن عجلان اور جریر عن التیمی نے کہا ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء للطحاوی: ج۱: ص۲۰۶، التمہید لابن عبد البر: ج۱۱: ص۳۴ وغیرہ)

- اسی طرح سوالات ابی طالب میں بھی امام احمدؒ (**م۲۴۱ھ**) سے کہا گیا:

يقولون: أخطأ التيمي قال: من قال هذا فقد بهته۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ ابو موسی کی روایت میں سلیمان التیمیؒ نے غلطی کی ہے، تو امام احمدؒ نے کہا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ سلیمان التیمی نے خطاء کی، تو انہوں نے سلیمان التیمی پر بہتان باندھا ہے۔ (**شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص۱۴۲۹**)

- ماردینیؒ (**م۷۵۰ھ**) نے بھی امام احمدؒ کا تقریباً یہی کلام علل الخلال سے نقل کیا ہے۔ (**الجوھر النقی: ج۲: ص۱۵۵**)

پھر ان سب کے علاوہ، ائمہ محدثین نے بھی امام احمدؒ (**م۲۴۱ھ**) کو اس کے **مصححین** میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ

۱- امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ)۔ (دیکھئے ص:۸)

۲- ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام ابو جعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) کہتے ہیں کہ "**فقد صحّح أحمد هذَين الْحَدِيثين**"۔ (**مختصر اختلاف العلماء للطحاوی: ج۱: ص ۲۰۶**)

۳- ابن بطالؒ (م ۴۴۹ھ) کہتے ہیں کہ "**وقد صححه أحمد بن حنبل**"۔ (**شرح بخاری لابن بطال: ج۲: ص ۴۷۰**)

۴- حافظ المغرب، امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے کہا: "**وقد صحح هذين الحديثين أحمد بن حنبل**"۔ (**التمهيد لابن عبد البر: ج۱۱: ص ۳۴ وغیرہ**)

۵- امام ابو عبد اللہ القرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) نے کہا: "**وَقَدْ صَحَّحَهَا الْإِمَامُ أَحْمَدُ بْنُ حنبل و ابن المنذر**"۔ (**تفسير القرطبی: ج۱: ص ۱۲۱**)

۶- حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے کہا: "**صححه أحمد و إسحاق و مسلم بن الحجاج وغيرهم**"۔ (**مجموع الفتاوی: ج ۲۲: ص ۳۴۰**)

۷- حافظ ابن عبد الہادیؒ (م ۷۴۴ھ) نے کہا: "**صَححهُ الإِمَام أَحْمد**"۔ (**المحرر فی الحدیث: ص ۱۸۹**)

۸- حافظ ماردینیؒ (م ۷۵۰ھ)۔ (**الجوهر النقی: ج۲: ص ۱۵۵**)

۹- حافظ مغلطائیؒ (م ۷۶۲ھ) نے کہا: "**وصححه أيضا أحمد بن حنبل فيما حكاه الأثرم**"۔ (**شرح ابن ماجه للمغلطائی: ص ۱۴۲۹**)

۱۰- امام محمد بن عبد اللہ الزرکشی المصریؒ (م ۷۷۲ھ) نے کہا: "**صححه أحمد ومسلم**"۔ (**شرح الزركشی علی الخرقی: ج۱: ص ۶۰۲**)

۱۱- حافظ ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) نے کہا: "**صححه أيضا: أحمد و ابن حزم**"۔ (**البدر المنير: ج۴: ص ۴۸۲**)

۱۲- محدث انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۱ھ) نے کہا: "**قد صححه أحمد بن حنبل و أبو بكر بن أثرم تلميذ أحمد و ابن جرير في تفسيره، و أبو عمر و ابن حزم الأندلسي و زكي الدين المنذري و الحافظ ابن حجر العسقلاني**"۔ (**العرف الشذی: ج۱: ص ۳۱۳**)

لہذا امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) نے اس حدیث کی زیادت کو صحیح قرار دیا ہے، اور ائمہ محدثین کے نزدیک بھی یہی راجح ہے اور شرح علل الترمذی کی عبارت سے بھی امام صاحبؒ کا اس زیادت کی تصحیح کی طرف رجحان ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

متابعات پر بحث:

اہل حدیثوں کے محدث العصر، زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ سلیمان بن طرخان التیمیؒ (تابعی) کی بیان کردہ حدیث "**إذا قرأ فأنصتوا**" متابعات اور شاہد کے بغیر کی بھی جمہور کے نزدیک صحیح ہے۔ (**ہفت روزہ الاعتصام: ۲۱ تا ۲۷ نومبر ۲۰۰۸، ۲۲ ذی قاعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۲۲**)

امام قتادہؒ (م ۱۱۹ھ) سے "**إذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادت نقل کرنے میں سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ) منفرد بھی نہیں ہے۔ ان کے متابع بھی موجود ہیں۔

متابع نمبر "۱" اور "۲" :

چنانچہ امام محمد بن ھارون الرویانیؒ (م ۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

نا أبو عبد الله القطعي، نا سالم بن نوح العطار، نا عمر بن عامر و سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن يونس بن جبير، عن حطان بن عبد الله الرقاشي قال: صلى بنا أبو موسى الأشعري فقال: عن النبي صلى الله عليه وسلم: إذا قرأ الإمام فأنصتوا۔ (مسند الرویانی: ج ۱: ص ۳۷۰)

سند کی تحقیق:

(۱) امام محمد بن ہارون الرویانیؒ (م ۳۰۷ھ) مشہور ثقہ، امام اور حافظ الحدیث ہیں۔ (**سیر: ج ۱۴: ص ۵۰۷**)

(۲) ابو عبد اللہ محمد بن یحیی بن ابی حزم القطعیؒ (م ۲۵۳ھ) مسلم کے ثقہ راوی ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: ۶۳۸۲**)

(۳) سالم بن نوح عطارؒ (م بعد ۲۰۰ھ) مسلم کے راوی صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: ۲۱۸۵**)

لہذا یہ سند حسن ہے۔

اس روایت میں سلیمان التیمیؒ (م ۱۴۳ھ) کی طرح ۲، ۲ راویوں عمر بن عامر البصریؒ (م ۱۳۵ھ) اور سعید بن ابی عروبہؒ (م ۱۵۷ھ) نے قتادہؒ (م ۱۱۹ھ) سے "**إذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادت نقل کی ہے۔

متابع نمبر ۳:

حافظ ابو عوانہ الاسفر اینیؒ (م ۳۱۶ھ) نے کہا:

حدثنا سهل بن بحر الجنديسابوري قال: ثنا عبد الله بن رشيد قال: ثنا أبو عبيدة، عن قتادة، عن يونس بن جبير، عن حطان بن عبد الله الرقاشي، عن أبي موسى الأشعري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قرأ الإمام فأنصتوا، وإذا قال: {غير المغضوب عليهم ولا الضالين} فقولوا آمين۔ (صحیح ابی عوانہ: حدیث نمبر ۱۶۹۸، طبع دار المعرفة، بیروت، ونسخة الجامعة الاسلامية: ج۴: ص ۴۱۵)

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابو عوانہ الاسفر اینیؒ (م ۳۱۶ھ) ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ (**ارشاد القاصی والدانی: ص ۶۹۶**)

(۲) سہل بن بحر الجندیسابوریؒ بھی صدوق ہیں۔

حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ)، حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (**کتاب الثقات لابن حبان: ج۸: ص ۲۹۳، کتاب الثقات للقاسم: ج۵: ص ۱۵۱**)، امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کے نزدیک بھی وہ صدوق ہیں۔ (**الکامل: ج۱: ص ۷۹، ج۶: ص ۱۴۴**)،

حافظ بزارؒ، حافظ الساجیؒ، امام ابو عوانہ الاسفر اینیؒ وغیرہ کئی ائمہ نے ان سے روایت لی ہے۔ (**مسند البزار: ج۱۷: ص ۳۳، المعجم الاوسط: ج۷: ص ۱۶۹**) اور حافظ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (**مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۷۹۱۶**)

لہذا وہ صدوق ہیں۔

نوٹ:

اس بات کا احتمال ہے کہ سہل بن بحر الجندیسابوریؒ اور سری بن سہل بن علقمہ الجندیسابوریؒ (م **۲۸۹ھ**) دونوں ایک ہی راوی ہوں۔ **(ارشاد القاصی والدانی: ص ۳۱۷)**،

لیکن اس سے الجندیسابوریؒ کی ثقاہت پر کوئی فرق نہیں پڑھتا۔ واللہ اعلم

(۳)　ابو عبد اللہ، عبد اللہ بن رشید الجندیسابوریؒ ثقہ ہیں۔

امام جعفر بن محمد بن الحسن بن عبد العزیز المصریؒ (م **۳۲۹ھ**) نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ **(صحیح ابی عوانہ: حدیث نمبر ۷۰۴۴، طبع دار المعرفة، بیروت، و نسخة الجامعة الاسلامیة: ج ۱۵: ص ۱۳۳)**، حافظ ابن حبانؒ (**۳۵۴ھ**) نے ان کو ثقات میں شمار کر کے مستقیم الحدیث قرار دیا ہے۔ **(الثقات لابن حبان: ج ۸: ص ۳۴۳)**، حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م **۸۷۹ھ**) نے بھی ان کو ثقات میں شمار کر کے مستقیم الحدیث قرار دیا ہے۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج ۶: ص ۱۷)**، امام ابو سعد السمعانیؒ (م **۵۶۲ھ**) نے بھی ان کو مستقیم الحدیث قرار دیا ہے۔ **(الانساب للسمعانی: ج ۳: ص ۳۴۹)**، امام ابن عدیؒ (م **۳۶۵ھ**) کے نزدیک بھی یہ راوی صدوق ہیں۔ **(الکامل: ج ۸: ص ۱۷۳، ج ۱: ص ۷۹)**

نوٹ:

حافظ عراقیؒ (م **۸۰۶ھ**) نے امام بیہقیؒ (م **۴۵۸ھ**) کی جرح کا رد کیا ہے۔ **(ذیل میزان الاعتدال: ص ۱۳۳)**

لہذا ابو عبد اللہ، عبد اللہ بن رشید الجندیسابوریؒ ثقہ ہیں۔

(۴)　مجاعة بن الزبیر، ابو عبیدة الازدیؒ بھی صدوق ہیں۔

امام شعبہؒ نے ان سے روایت لی اور ان کی تعریف کی ہے، حافظ ذہبیؒ نے ان کو "**أَحَدُ العُلَمَاءِ العَامِلِيْنَ**" کہا۔ **(سیر: ج۷: ص۱۹۶)**

امام احمدؒ نے کہا کہ ان میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں ہے، حافظ ابن عدیؒ نے کہا کہ مجاعۃ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی احادیث قابل برداشت ہے، ان کی احادیث لکھی جائے گی۔ **(التذييل علي كتب الجرح و التعديل: ص۲۵۹)**

امام ابو عوانہ الاسفرایینیؒ اور امام منذری نے ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے۔ **(صحیح ابی عوانہ: حدیث نمبر ۷۰۴۴، طبع دار المعرفة، الترغيب والترهيب للمنذرى: حديث نمبر ۱۹۸۵، باب: الترغيب في الصبرِ سيّما لمنِ ابْتُلِيَ في نفسه أو ماله)**

حافظ ابن حبانؒ ان کی توثیق مفسر کرتے ہیں کہ "**مستقيم الحديث عن الثقات**"۔ **(الثقات: ج۷: ص۵۱۷)** یہی بات امام ابو سعد السمعانیؒ **(۵۶۲ھ)** نے بھی کہی ہے۔ **(الانساب للسمعانی: ج۳: ص۳۴۹)**، حافظ ابن شاہینؒ **(۳۸۵ھ)** نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(تاریخ جرجان للسهمی: ص۵۵۱)**

شیخ الالبانیؒ نے بھی ایک جگہ ان کو حسن الحدیث قرار دیا ہے۔ **(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ج۱: ص۶۷۹)**، شیخ عامر حسن صبری نے ان کو صدوق، صالح اور محدث کہا ہے۔ **(سلسلۃ الاجزاء والکتب الاحادیث نمبر ۲۰: ص۶، طبع دار البشائر الاسلامیہ)**

لہذا مجاعۃ بن الزبیر، ابو عبیدۃ الازدیؒ صدوق اور حسن الحدیث ہیں، واللہ اعلم [7]

---

[7] <u>**مجاعۃؒ کی توثیق پر خبیب صاحب کے اعتراضات کے جوابات:**</u>

<u>**اعتراض نمبر ۱:**</u>

- امام شعبہؒ کی توثیق پر خبیب صاحب کہتے ہیں کہ مجاعۃ، شعبہؒ کے ہاں بھی ضعیف ہے اور اس کی دلیل میں موصوف نے الجرح و التعدیل سے ایک حکایات نقل کی اور اس پر ابن ابی حاتم کا تبصرا نقل کیا کہ اس حکایات میں شعبہؒ کا یہ انداز مجاعۃ کی توہین (تضعیف) پر دلالت کرتا ہے۔ **(مقالات اثریہ: ص ۳۹۳)**

الجواب:

ہم کہتے ہیں کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔ **(فتاوی ناصر الدین الالبانی فی المدینۃ و الامارات: ص ۱۴۶، طبع دار الضیاء)**

اور اس روایت کے راوی ثقہ، حافظ الحدیث عبد الصمد بن عبد الوارثؒ **(م ۲۰۷ھ)** نے خود مجاعۃؒ سے حدیث لیتے وقت، اس روایت کو ان کی تعریف پر محمول کرتے ہوئے، امام شعبہؒ کا قول "**الصَّوَّامُ الْقَوَّامُ**" نقل کیا ہے۔ **(معجم اسامی شیوخ ابو بکر الاسماعیلی: ج ۲: ص ۶۷۳)**

معلوم ہوا کہ ثقہ، حافظ الحدیث عبد الصمد بن عبد الوارثؒ **(م ۲۰۷ھ)** کے نزدیک یہ روایت در صل مجاعۃؒ کی تعریف میں ہے۔ نیز حافظ ذہبیؒ **(م ۷۴۸ھ)** کے نزدیک بھی یہ روایت مجاعۃؒ کی تعریف میں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ: "**وذكره شعبة مرة، فأثنى عليه، وقال: الصوام، القوام**"۔ **(سیر: ج ۷: ص ۱۹۶)**، نیز حافظ ابو عوانہ الاسفرایینیؒ **(م ۳۱۶ھ)** نے بھی اس روایت کو مجاعۃؒ کی تعریف میں مانا ہے۔ **(صحیح ابی عوانہ: حدیث نمبر ۷۰۴۴، طبع دار المعرفۃ، بیروت، ونسخۃ الجامعۃ الاسلامیۃ: ج ۱۵: ص ۱۳۳)**

لہذا ابن ابی حاتم کا تبصرا "کہ اس حکایات میں شعبہؒ کا یہ انداز مجاعۃ کی توہین پر دلالت کرتا ہے" مضر نہیں ہے۔

خاص طور سے جب کہ امام شعبہؒ **(م ۱۶۰ھ)** نے ان روایت بھی لی ہے اور ان کا روایت لینے میں اتقان مشہور و معروف ہے۔ **(اتحاف النبیل للسلیمانی: ج ۲)**، لہذا یہاں اس حکایات سے مجاعۃ کی حدیث میں تضعیف ثابت نہیں ہوتی۔

اعتراض نمبر ۲:

- خبیب صاحب کہتے ہیں کہ امام احمدؒ کے اس قول کا اصطلاحی جرح و تعدیل سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ انھوں نے تو خود ہی صراحت فرمادی ہے کہ فی نفسہ کوئی حرج نہیں، یہ نہیں فرمایا: فی حدیثہ، اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ وہ صرف نیک آدمی ہے۔

الجواب:

ہم کہتے ہیں کہ خبیب صاحب کی یہ بات اس وقت درست ہوتی جب کہ امام احمدؒ سے ان پر حدیث میں جرح مروی ہوتی، چونکہ یہاں جرح ثابت نہیں ہے، لہذا ان کا اعتراض ہی باطل و مردود ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین نے بھی اس کو امام احمدؒ کی طرف سے مجاعۃ کی توثیق وثناء مانا ہے، چنانچہ اور امام احمدؒ کے اس قول کو حافظ ابن مبردؒ (**م۹۰۹ھ**) نے اپنی کتاب " **بحر الدم فيمن تكلم فيه الإمام أحمد بمدح أو ذم** " میں نقل کیا ہے۔ **(ص:۱۴۶)**

اب قارئین ہی بتائیے کہ ابن مبردؒ کے نزدیک یہ قول امام احمدؒ کی طرف سے راوی کی مدح ہے یا ذم؟؟؟

اتنا ہی نہیں، بلکہ حافظ ہیثمیؒ (**م۸۰۷ھ**) اس قول کو، امام احمدؒ کی صریح توثیق " **وَثَّقَهُ أَحْمَدُ** " پر محمول کیا ہے۔ **(مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۹۱۲۱)**

عجیب بات ہے خود خبیب صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ محدثین کا فہم دوسروں کے مقابلے میں راجح ہے۔ **(مقالات اثریہ: ۳۹۳)** لیکن یہاں لگتا ہے کہ وہ اپنی ہی بات بھول گیا۔ (اللہ ان کی بھول کو بھی معاف فرمائے۔۔۔ آمین)

دیگر اعتراضات کا جواب:

- آگے خبیب صاحب نے ابوعوانہؒ کی توثیق پر اعتراض کیا کہ انہوں نے تو متروک اور کذاب راویوں سے بھی روایت لی ہے۔ **(۳۹۳)** حالانکہ حافظ ابو عوانہؒ (**م۳۱۶ھ**) نے مجاعۃ کی روایت نقل کرنے کے بعد، ان کی توثیق بھی نقل کی ہے۔ **(صحیح ابی عوانہ: حدیث نمبر ۷۰۴۴، طبع دار المعرفة، بيروت، ونسخة الجامعة الاسلامية: ج۱۵: ص۱۳۳)**، جو کہ واضح دلیل ہے کہ حافظ ابو عوانہؒ (**م۳۱۶ھ**) کے نزدیک مجاعۃ معتبر ہیں۔

نیز خبیب صاحب جواب دیں کہ کسی امام کے نزدیک کوئی راوی ضعیف اور متروک ہو، تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر عالم یا محدث کے نزدیک وہ راوی ضعیف اور متروک ہو؟؟؟

- خبیب صاحب کہتے ہیں کہ ابن حبانؒ کی متابعات میں حافظ سمعانیؒ نے بھی ان کی توثیق کر دی ہے۔ **(ایضاً)**

خبیب صاحب سے گزارش ہے کہ وہ لکھ دیں کہ حافظ سمعانیؒ (**م۵۶۲ھ**) نے ابن حبانؒ (**م۳۵۴ھ**) کی "اندھی تقلید" میں مجاعۃ کی توثیق کر دی، پھر ہم ثابت کریں گے کہ حافظ سمعانیؒ (**م۵۶۲ھ**) نے تحقیق و تفتیش کے بعد امام ابن حبانؒ (**م۳۵۴ھ**) کا قول لیا ہے۔

نوٹ:

امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) جب کسی راوی کی صراحتاً توثیق کرتے ہیں، تو اس کی اہمیت کتنی ہوتی ہے، اس کے لئے دیکھئے : **التنکیل للمعلمی: ج۲: ص۶۶۹۔**

- خبیب صاحب کہتے ہیں کہ حافظ ذہبیؒ کو مجاعۃ کے معدلین میں شمار کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ انھوں نے موصوف کو دیوان الضعفاء اور المغنی فی الضعفاء میں ذکر کیا اور اس کے ضعف کی بنیاد امام دار قطنی کا قول "ضعیف" قرار دیا ہے۔ **(ایضاً: ۳۹۴)**

حالانکہ دیوان الضعفاء دراصل حافظ ابن الجوزیؒ کی کتاب "الضعفاء" کا اختصار ہے، اس لئے ان کا نام اس میں آ گیا۔ **(مجلہ الاجماع: ش۲: ص۸۷)**، رہا حافظ ذہبیؒ کے نزدیک ان کی حیثیت کیا ہے؟؟ تو ان کو "**أَحَدُ العُلَمَاءِ العَامِلِيْنَ**" کہنے کے ساتھ ساتھ میزان الاعتدال میں ان کا دفاع بھی کیا ہے۔ **(ج۳: ص۴۳۷)** چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

مجاعة بن الزبير.

عن محمد بن سيرين، وقتادة.

قال أحمد: لم يكن به بأس في نفسه.

وضعفه الدارقطني.

وقال ابن عدي: هو ممن يحتمل ويكتب حديثه.

قلت: روى عنه شعبة، وعبد الصمد التنوري، وعبد الله بن رشيد.

وقال شعبة: كان صواما قواما۔

لہذا راجح قول میں مجاعہؒ، حافظ ذہبیؒ کے نزدیک بھی مقبول ہیں۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ مجاعۃ بن زبیرؒ پر جرح مرجوح ہے اور وہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ واللہ اعلم

ابن خراشؒ کی جرح اور ایک اہم وضاحت:

بعض کتب میں ابن خراشؒ کی جرح کے مکمل الفاظ نہیں نقل کئے گئے، لیکن حافظ ابو عوانہ الاسفرایینیؒ (م ۳۱۶ھ) نے ان کے مکمل الفاظ نقل کئے ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

ابن خراشؒ نے کہا کہ صغار سے مروی مجاعہؒ کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ **(صحیح ابی عوانہ: حدیث نمبر ۷۰۴۴، طبع دار المعرفة، بيروت، ونسخة الجامعة الاسلامية: ج۱۵: ص۱۳۳)**، معلوم ہوا کہ ابن خراشؒ کا قول " **ليس مما يعتبر به** " صغار کے

(۵) قتادہؒ (م ۱۱۹ھ)

(۶) یونس بن جبیرؒ (م بعد ۹۰ھ)

(۷) حطان بن عبد اللہ الرقاشیؒ (م بعد ۷۰ھ) صحیحین کے ثقہ رواۃ میں سے ہیں۔

(۸) ابو موسی الاشعریؓ (م ۵۰ھ) مشہور صحابی رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہیں۔

لہذا یہ سند حسن ہے۔ اور زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس سند کو حسن لذاتہ قرار دیا ہے۔ **(الاعتصام: ۲۱ تا ۲۷، نومبر ۲۲، ۲۰۰۸ ذی قاعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۲۱)**

متابع نمبر ۴ :

إمام متفنّن متبحّر فِي العلم، مشہور مفسر ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح الخزرجی القرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

" **وقد روي عن عبد الله بن عامر عن قتادة متابعة التيمي، ولكن ليس هو بالقوي** "

التیمیؒ کی طرح "**إذا قرأ الإمام فأنصتوا** " کی زیادتی عبد اللہ بن عامرؒ عن قتادہؒ بھی مروی ہے، لیکن عبد اللہ بن عامرؒ قوی نہیں ہیں۔ **(تفسیر القرطبی: ج ۱: ص ۱۲۱)**

ساتھ خاص ہے۔ اور یہ جرح ان کی مجاعہؒ کی خاص صورت کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ آگے حافظ ابو عوانہ الاسفرائینیؒ (م ۳۱۶ھ) کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

لہذا اس جرح کو مجاعہؒ پر علی الاطلاق محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز اس کے مقابلے میں حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) کی توثیق صریح اور تحقیق پر مبنی ہے کہ مجاعہؒ جب ثقات سے روایت کریں تو وہ مستقیم الحدیث ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی توثیق کو توثیق مفسر قرار دیا گیا ہے، اور یہاں بھی چونکہ مجاعہ بن زبیرؒ ثقہ، حافظ الحدیث، امام قتادہؒ (م ۱۱۹ھ) سے روایت کر رہے ہے۔

لہذا وہ اس روایت میں مستقیم الحدیث ہیں۔ واللہ اعلم

وضاحت:

عبد اللہ بن عامر الاسلمیؒ **(م ۱۵۱ھ)** اگرچہ ضعیف ہیں، البتہ متابعات میں قابل قبول ہیں، چنانچہ امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ متروک نہیں ہیں، امام ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ وہ عزیز الحدیث ہیں اور ان کی بعض روایات کی متابعات نہیں کی گئی اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں، جس کی احادیث لکھی جائے گی۔ **(تہذیب الکمال: ج۱۵: ص۱۵۱)**

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ **(م ۸۵۲ھ)** کہتے ہیں کہ:

" **ضعيف لكنه ليس بمتروك وحديثه حسن في المتابعات** "

الاسلمیؒ ضعیف ہیں، لیکن وہ متروک نہیں ہیں اور ان کی حدیث متابعات کی صورت میں حسن ہے۔ **(فتح الباری: ج۲: ص۱۴۷)**

معلوم ہوا ان کی روایت بھی متابعات میں ذکر کی جاسکتی ہے۔

خلاصہ:

حاصل کلام یہ ہے کہ ابو موسی الاشعریؓ کی روایت میں التیمیؒ **(م ۱۴۳ھ)** کی زیادتی " **إذا قرأ الإمام فأنصتوا** " متابعات کی وجہ سے مزید قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے، اور اس کا انکار محض باطل و مردود ہے۔

کیا اس حدیث سے قراءت خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی؟؟؟

اس حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے بعد بھی، غیر مقلد عالم زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث مذکورہ سے قراءت خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ **(الاعتصام: ۵ تا ۱۱ دسمبر ۲۰۰۸، ۶ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ: ص۲۸)**

الجواب:

درج ذیل محدثین و علماء کرام نے اس حدیث سے قراءت خلف الامام کی ممانعت پر استدلال یا اسے تسلیم کیا ہے:

۱- امام ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵؁ھ) نے اس حدیث کو "**مَن كره القِرَاءَةَ خَلفَ الإمَامِ**" میں ذکر کیا ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: ج۳: ص ۲۷۳)**

۲- امام نسائیؒ (م ۳۰۳؁ھ)۔ **(سنن نسائی: ج ۲: ص ۱۴۱، ت شیخ ابو الفتاح ابو غدہ)**

۳- امام ابن بطالؒ (م ۴۴۹؁ھ) نے کہا:

ولا يختلف أهل التأويل أن المراد بهذه الآية سماع القرآن في الصلاة، ومعلوم أن هذا لا يكون إلا في صلاة الجهر، لأن السر لا يستمع إليه ولقوله عليه السلام: (إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا)، وقد صححه أحمد بن حنبل۔ (شرح بخاری لابن بطال: ج ۲: ص ۳۷۰)

۴- حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳؁ھ)۔ **(الاستذکار: ج ۱: ص ۴۶۵-۴۶۶، الکافی: ج ۱: ص ۲۰۱-۲۰۲)**

۵- حافظ ابو الولید الباجیؒ (م ۴۷۴؁ھ) نے کہا:

" هذا أمر والأمر يقتضي الوجوب ودليلنا من جهة القياس أن هذا حال ائتمام فوجب أن تسقط معها القراءة عن المأموم أصله ما لو أدركه راكعا "۔ (المنتقی: ج ۱: ص ۱۶۱)

۶- امام قاضی عیاضؒ (م ۵۴۴؁ھ) نے کہا:

"في قوله: "فإذا قرأ فأنصتوا" حجة لمالك ومن قال بقوله لا يقرأ معه فيما يجهر به"۔ (اکمال المعلم: ج ۲: ص ۳۰۰)

۷- حافظ ابو بکر ابن العربیؒ (م ۵۴۳؁ھ) نے کہا:

وأما الجهر فلا سبيل إلى القراءة فيه لثلاثة أوجه: أحدها: أنه عمل أهل المدينة.

الثاني: أنه حكم القرآن قال الله سبحانه: {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}.

وقد عضدته السنة بحديثين: أحدهما: حديث عمران بن حصين: «قد علمت أن بعضكم خالجنيها».

الثاني: قوله: "وإذا قرأ فأنصتوا".

الوجه الثالث: في الترجيح: إن القراءة مع جهر الإمام لا سبيل إليها فمتى يقرأ؟ فإن قيل: يقرأ في سكتة الإمام. قلنا: السكوت لا يلزم الإمام فكيف يركب فرض على ما ليس بفرض، لا سيما وقد وجدنا وجها للقراءة مع الجهر، وهي قراءة القلب بالتدبر والتفكر، وهذا نظام القرآن والحديث، وحفظ العبادة، ومراعاة السنة، وعمل بالترجيح والله أعلم۔ (احکام القرآن لابن العربی: ج ۲: ص ۳۶۷)

۸- حافظ موفق الدین ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ)۔ **(المغنی: ج ۱: ص ۴۰۴)**

۹- امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے اس حدیث کو باب " **باب في ترك القراءة فيما جهر فيه الإمام** " میں سب سے پہلے نقل کیا ہے۔ **(السُّنَنُ وَالأَحْكَامُ عَنِ المُصْطَفَى عَلَيهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ والسَّلَامَ: ج ۲ : ص ۴۹)**

۱۰- امام مجد الدین ابن تیمیہؒ (م ۶۵۲ھ) نے بھی اسے ترک قراءت خلف الامام کے باب میں پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے۔ **(المنتقی لمجد الدین: ص ۱۸۹)**

۱۱- حافظ ابو العباس القرطبیؒ (م ۶۵۶ھ)۔ **(المفہم للقرطبی: ج ۲: ص ۳۹)**

۱۲- حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے کہا:

فجزم الزهري بهذا من أحسن الأدلة على أنهم تركوا القراءة خلفه حال الجهر بعدما كانوا يفعلونه وهذا يؤيد ما تقدم ذكره ويوافق قوله: {وإذا قرأ فأنصتوا} ولم يستثن فاتحة ولا غيرها۔ (مجموع الفتاوی: ج ۲۳: ص ۳۱۹)

انکے علاوہ کئی ائمہ، علماء بلکہ سعودیہ کے کئی سلفی علماء نے بھی اس حدیث سے ترک قراءت پر استدلال کیا ہے، جن میں شیخ الالبانیؒ بھی ہیں۔ تفصیل کے لئے ان کی کتاب "**اصل صفة صلاة النبی ﷺ**" کا مطالعہ کریں۔

اور مولانا سرفراز خان صفدرؒ (م) کہتے ہیں کہ ان حضرات کی یہ توجیہ اور تاویل کہ " **إذا قرأ الإمام فأنصتوا** " سے مراد مازاد علی الفاتحہ کی قراءت ہے قطعاً باطل ہے۔ اس لئے کہ مسلم اور ابو عوانہ وغیرہ کے حوالہ سے صحیح روایت ان الفاظ کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے نقل کی جاچکی ہے۔

"**وإذا قرأ فأنصتوا وإذا قال {غير المغضوب عليهم ولا الضالين}، فقولوا: آمين۔۔۔**"

کہ جب امام قراءت کرے، تو تم خاموش رہو اور جب امام "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" کہے تو تم آمین کہو۔

یہ عقدہ تو فریق ثانی ہی حل کرے گا کہ "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" سے قبل وہ کون سی قراءت ہے جس میں امام کا فریضہ قراءت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموش رہنا بتلایا گیا ہے ؟؟

شاید ان کے نزدیک اس اثناء میں سورہ یٰسین کی قراءت سنت ہو، جس کی امام قراءت کرتا رہے اور اس وقت مقتدی خاموش رہیں ؟؟ اس صحیح حدیث کو پیش نظر رکھ کر بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تاویل قطعی طور پر باطل اور مردود ہے۔ **(احسن الکلام: ج۱: ص ۲۶۳-۲۶۴)**

خلاصہ یہ کہ "**وإذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادتی صحیح و درست ہے اور وہ امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت پر صریح ہے، جیسا کہ ائمہ محدثین نے صراحت کی ہے۔

دلیل نمبر ۲ :

امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) نے کہا:

أخبرنا الجارود بن معاذ الترمذي، قال: حدثنا أبو خالد الأحمر، عن محمد بن عجلان، عن زيد بن أسلم، عن أبي صالح، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا، وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا: اللهم ربنا لك الحمد۔ (سنن نسائی: حدیث نمبر ۹۲۱)

سند کی تحقیق:

(۱) امام ابو عبد الرحمٰن، احمد بن شعیب النسائیؒ (م ۳۰۳ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور صاحب السنن ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۵)**

(۲) الجارود بن معاذ الترمذیؒ (م ۲۴۴ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۸۸۲)**

(۳) ابو خالد، سلیمان بن حیان الاحمرؒ (م ۱۹۰ھ) صحیحین کے راوی اور مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(ذكر أسماء من تكلم فيه وهو موثق: ص ۹۲، الرواة الثقات المتكلم فيهم بما لا يوجب ردهم: ص ۱۰۱، تذکرۃ الحفاظ)**

بلکہ حافظ عجلیؒ(م۲۶۱ھ) ان کو ثقہ، ثبت اور صاحب سنۃ قرار دیتے ہیں۔ ابوہشام الرفاعیؒ(م۲۴۸ھ) ثقہ، امین کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ابن معینؒ(م۲۳۳ھ) بھی کہتے ہیں کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ ثقہ ہیں، وہ ثقہ ہیں۔ (**تہذیب التہذیب: ج۴: ص ۱۸۱-۱۸۲، موسوعۃ أقوال یحیی بن معین: ج۲: ص ۲۴۳**)

لہذا وہ ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ (**سیر: ج۹: ص۱۹**)، بلکہ بعض کے نزدیک ثبت اور امین ہیں، جیسا کہ گزر چکا۔

(۴) محمد بن عجلانؒ(م۱۴۸ھ) صحیح مسلم و سنن اربع کے راوی اور صدوق ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۱۳۶، سیر**)

نوٹ نمبر ۱:

تقریب میں موجود "**إلا أنه اختلطت عليه أحاديث أبي هريرة**" سے مراد " **خصوصًا في روايته عن المقبري**" ہے، جیسا کہ حافظؒ نے دوسری جگہ لکھا ہے۔ (**نتائج الافکار: ج۱: ص۱۱۳**) اور تہذیب التہذیب کے اقوال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ **دیکھئے تہذیب التہذیب: ج۹: ص ۳۴۱**۔

نوٹ نمبر ۲:

یہاں "**اختلطت**" سے مراد اصطلاحی اختلاط نہیں کہ راوی کا آخری عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا، وغیرہ وغیرہ، بلکہ اس سے مراد المقبریؒ سے روایات کرنے میں غلطیوں کا واقع ہونا ہے۔ کیونکہ کتب **المختلطین** میں کسی امام نے ان کو شمار نہیں کیا۔ واللہ اعلم

(۵) زید بن اسلمؒ(م۱۳۶ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، عالم ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۱۱۷**)

(۶) ذکوان ابو صالح السمانؒ(م۱۰۱ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، ثبت امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۱۸۴۱**)

(۷) ابو هريرة، عبد الرحمٰن بن صخرؓ(م۵۹ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ اور حافظ الصحابہؓ ہیں۔

لہذا یہ سند کے تمام رواۃ ثقہ اور روایت صحیح ہے۔

اعتراض نمبر ۱:

اثری صاحب کہتے ہیں کہ **سعید المقبری** ؒ کے طریق کے علاوہ بھی محدثین نے ابن عجلانؒ کی روایتوں پر کلام کیا ہے، چنانچہ ترمذیؒ **باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود** کے تحت ایک حدیث بواسطہ ابن عجلان عن سمی عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس روایت کو ہم صرف لیث عن ابن عجلان عن سمی عن ابی صالح عن ابی ہریرہ کے طریق سے ہی پہنچانتے ہیں اور سفیان بن عیینہ وغیرہ نے اسے سمی عن النعمان بن ابی عیاش کے طریق سے روایت کیا ہے اور ان کی روایت لیثؒ کی روایت سے اصح ہے۔

امام ترمذی کے علاوہ امام بخاریؒ نے بھی نعمان بن ابی عیاش کے مرسل طریق کو ہی ترجیح دی "۔ **(توضیح الکلام: ص۷۲۸-۷۲۹)**

الجواب:

اگر چہ امام بخاریؒ **(م۲۵۶ھ)**، امام ترمذیؒ **(م۲۷۹ھ)**، امام ابو حاتمؒ **(م۲۷۷ھ)** وغیرہ ائمہ نے اس سمیؒ والی روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے، لیکن یہ روایت امام ابو داودؒ **(م۲۷۵ھ)**، امام ابن خزیمہؒ **(م۳۱۱ھ)**، امام ابن حبانؒ **(۳۵۴ھ)**، امام ابو عبد اللہ الحاکم **(م۴۰۵ھ)**، حافظ ضیاء الدین المقدسیؒ **(م۶۴۳ھ)**، حافظ ذہبیؒ **(م۷۴۸ھ)**، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ **(م۸۵۲ھ)** کے نزدیک مسند ہے۔ **(سنن ابو داود: حدیث نمبر ۹۰۲، شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۵۰۴، صحیح ابن حبان: حدیث ۱۹۱۸، المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبی: ج۱: ص ۳۵۲، السنن والاحکام للمقدسی: ج۲: ص ۹۴، فتح الباری: ج۲: ص ۲۹۴)**[8]

معلوم ہوا کہ اس حدیث کے متصل و مرسل ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

اور ابن عجلانؒ **(م۱۴۸ھ)** نے دونوں طرح سے اس حدیث کو روایت کی ہے، یعنی ابن عجلانؒ **(م۱۴۸ھ)** سے یہ روایت عن سمی عن نعمان عن النبی ﷺ مرسلاً بھی مروی ہے اور عن سمی عن ابی صالح عن ابی ہریرہ عن النبی ﷺ متصلاً بھی ہے۔ **(دیکھئے العلل للدارقطنی: ج۱۰: ص ۸۵)**

---

[8] امام ابو داودؒ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے، جو کہ ان کے نزدیک اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ خود انہوں نے اپنے رسالہ الی اہل مکہ میں تصریح کی ہے۔

لہذا یہاں پر ابن عجلانؒ نے ابن عیینہؒ (**م۱۹۸ھ**)، سفیان الثوریؒ (**م۱۶۱ھ**) وغیرہ کی مخالفت نہیں کی، بلکہ سمیؒ (**م۱۳۰ھ**) سے ایک زیادتی والی روایت بیان کی ہے، چونکہ ابن عجلانؒ (**م۱۴۸ھ**) ثقہ، صدوق، حافظ الحدیث ہیں، لہذا ان کی یہ زیادتی قابل قبول ہے۔

نوٹ نمبر۱ :

شیخ الالبانیؒ نے تو ابن عجلانؒ عن سعید المقبری کی ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے اور کہا کہ " **فالظاهر أن ابن عجلان كان تارة يرفعه، وأخرى يوقفه، والحديث مرفوع بلا شك** "۔ (**الصحيحة: حديث نمبر ۸۶۲**) لہذا اسی اصول کی روشنی میں ابن عجلانؒ کی روایت بھی مرفوع ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ ان ائمہ کا کلام مرجوح ہے اور راجح یہی ہے کہ یہ روایت متصل ہے اور اثری صاحب کا استدلال باطل ومردود ہے۔

نوٹ نمبر۲ :

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نعمان بن ابی عیاشؒ نے یہ روایت ابو ہریرہؓ سے ہی ارسال کی ہے، کیونکہ ان دونوں حضرات کا امکان لقاء ممکن ہے۔ واللہ اعلم

اعتراض نمبر۲ :

خبیب صاحب کہتے ہیں کہ اس زیادت کو بے اصل قرار دینے والے ماہرین علماء ہیں۔ (**مقالات اثریہ: ص۳۹۹، نیز دیکھئے توضیح الکلام: ص۷۲۳**)

الجواب:

ائمہ علل اس حدیث کے علت پر متفق نہیں ہے۔

خبیب احمد صاحب نے اس زیادت کے **مضعفین** میں امام یحیی بن معینؒ، امام بخاریؒ، امام محمد بن یحیی الذہلیؒ، امام ابو داودؒ، امام ابن خزیمہ غیرہ کا نام ذکر کیا ہے، لیکن ان حضرات نے اس روایت میں موجود الفاظ "**وإذا قرأ فأنصتوا** " کو ابو خالد الاحمرؒ (**م۱۹۰ھ**) کا وہم قرار دیا ہے۔ (**مقالات اثریہ: ص۳۹۹**)،

لیکن خود اثری صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ، ابو داودؒ اور ابن خزیمہؒ اس میں ابو خالدؒ کا وہم فرماتے ہیں، مگر ابو خالدؒ کا یہ وہم نہیں، ان کا ثقہ متابع محمد بن سعد انصاریؒ موجود ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۷۲۴)**

نوٹ:

محمد بن سعد انصاریؒ **(م ۲۰۰ھ)** کے علاوہ ثقہ، حافظ، ثبت، حجت امام لیث بن سعدؒ **(م ۱۷۵ھ)** نے بھی یہ روایت ابن عجلانؒ سے نقل کی ہے **(تَنْبِيهُ الهَاجِدْ إِلَى مَا وَقَعَ مِنَ النَّظَرِ فِي كُتُبِ الأَمَاجِدِ لابی اسحاق الاثری: ج ۱: ص ۴۲۳)**

لہذا امام یحیی بن معینؒ، امام بخاریؒ، امام محمد بن یحیی الذہلیؒ، امام ابو داودؒ، امام ابن خزیمہ کی جرح غیر صحیح ہے اور اثری صاحب اور خبیب صاحب کا اس کو پیش کرنا باطل و مردود ہے۔

دوسری طرف امام ابو حاتمؒ **(م ۲۷۷ھ)**، امام دار قطنیؒ **(م ۳۸۵ھ)**، امام بیہقیؒ **(م ۴۵۸ھ)**، وغیرہ ائمہ نے اس روایت کو ابن عجلانؒ کی تفرد کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ **(مقالات اثریہ: ص ۳۹۹)**[9]

لیکن ان کے مقابلے میں امام احمد بن حنبلؒ **(م ۲۴۱ھ)**، امام مسلمؒ **(م ۲۶۱ھ)**، امام ابن جریر الطبریؒ **(م ۳۱۰ھ)**، حافظ ابو جعفر الطحاویؒ **(۳۲۱ھ)**، امام ابن حزمؒ **(م ۴۵۶ھ)**، حافظ المغرب، امام ابن عبد البرؒ **(م ۴۶۳ھ)**، حافظ بغویؒ **(م ۵۱۶ھ)** وغیرہ کئی ائمہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ **(دیکھئے ص: ۲۱، صحیح مسلم: ج ۱: ص ۳۰۴، تفسیر ابن جریر: ج ۱۳: ص ۳۵۲، مختصر اختلاف العلماء للطحاوی: ج ۱: ص ۲۰۶، التمہید لابن عبد البر: ج ۱۱: ص ۳۴، الاستذکار: ج ۱: ص ۴۶۶، نیز دیکھئے الاعتصام: ج ۶۰: ش ۴۵، ۱۴ تا ۲۰ نومبر ۲۰۰۸، ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۲۱)**

نیز اس حدیث کو خطیب بغدادیؒ **(م ۴۶۳ھ)**، قاضی ابو یعلی الخلیلیؒ **(م ۴۴۶ھ)**، ابن عدیؒ **(م ۳۶۵ھ)**، ابن مندہؒ **(م ۳۹۵ھ)**، عبد الغنی بن سعیدؒ **(م ۴۰۹ھ)** نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے سنن نسائی پر صحیح کا

---

[9] نسائیؒ **(م ۳۰۳ھ)** کے قول سے ابن عجلانؒ کا تفرد مراد ہے، اور کیونکہ انہوں ابن عجلانؒ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے، اس پر باب " **تأويل قول الله جل ثناؤه {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}** " باندھا ہے۔ **(سنن الکبری للنسائی: ج ۱: ص ۴۷۵)**
لہذا اس قول سے ان کا شذوذ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ بلکہ الٹا **السنن المجتبی** میں انہوں نے ابن عجلانؒ کی حدیث کا دفاع کرتے ہوئے، ابو خالد کے متابع محمد بن سعد کی توثیق نقل کی ہے۔ **(سنن نسائی: حدیث نمبر ۹۲۲)**، غالباً یہی وجہ ہے کہ ہمارے علم کے مطابق کسی امام نے امام نسائیؒ کو اس حدیث کے **مضعفین** میں شمار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

اطلاق کیا ہے، جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب نے کہا ہے۔ **(الاعتصام: ج ۶۰: ش ۴۵، ۱۴ تا ۲۰ نومبر ۲۰۰۸، ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۲۱)**[10]

اور ہم نے پہلے بھی صراحت کی ہے کہ یہاں مسئلہ مخالفت کا نہیں، زیادتی کا ہے۔ چونکہ حافظ محمد بن عجلانؒ **(م ۱۴۸ھ)** ثقہ، صدوق محدث ہیں، لہذا ان کی زیادتی قابل قبول ہے اور پھر ابن عجلانؒ کے متابع وشاہد بھی موجود ہے، لہذا امام احمدؒ، امام مسلمؒ، ابن جریرؒ جیسا ائمہ العلل کی تصحیح مقدم ہے۔ واللہ اعلم

ابن عجلانؒ (م ۱۴۸ھ) کے متابع وشاہد کی بحث:

متابع [شاہد] نمبر ۱:

ابو موسی الاشعریؓ کی حدیث، ابن عجلانؒ **(م ۱۴۸ھ)** کی قوی شاہد ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔[11]

---

[10] **اعتراض:**

ان حوالوں کے جواب میں خبیب صاحب نے کہا کہ دوسرے گروہ میں مذکورہ ائمہ کے حوالے سے عرض ہے کہ متقدمین کی مفصل جرح کے مقابلے میں ان جلیل القدر ائمہ کی مبہم، غیر واضح اور مطلقاً تصحیح کی کوئی حیثیت نہیں، جبکہ سنن نسائی کو صحیح کہنے والوں کا اس کی مرویات پر نقد کرنا بھی ثابت ہے، یہاں جس کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ **(مقالات اثریہ: ص ۴۰۲)**

حالانکہ زبیر علی زئی صاحب نے اس کا جواب دیا ہے کہ امام دار قطنیؒ اور امام ابو علی النیسابوری سے چوں کہ حدیث مسلم پر کلام مذکور ہے۔ لہذا انھیں اس حدیث کے **مصححین** میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ **اس روایت کی تخصیص کر دی جائے گی اور باقی احادیث پر ان کا قول مذکرہ شرط کے ساتھ جاری رہے گا** یا ان کی جرح اور تصحیح کو باہم متعارض قرار دے کر ساقط کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ **(الاعتصام: ج ۶۰: ش ۴۵: ۱۴ تا ۲۰ نومبر ۱۵، ۲۰۰۸ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ: ص ۲۱)**

اور خبیب صاحب جن " متقدمین کی مفصل جرح " کا حوالہ دے رہے ہیں، ان کو جواب تو خود ان کے شیخ نے دے دیا ہے، لہذا ان کا حوالہ دینا مردود ہے، ابو حاتمؒ، دار قطنیؒ وغیرہ ائمہ سے پہلے امام احمدؒ، امام مسلمؒ نے حدیث ابو ہریرہؓ کو صحیح قرار دیا ہے، اور یہ ثقہ کی زیادتی کا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ گزر چکا، اور ابن عجلانؒ کے متابع وشاہد بھی موجود ہے، لہذا ان ائمہ العلل کی تصحیح مقدم ہے۔ واللہ اعلم

متابع نمبر ۲ :

حافظ ابو حاتم الرازیؒ (م ۲۷۷؁ھ) نے کہا:

" وَقَدْ رَوَاهُ خارِجَةُ بنُ مُصْعَبٍ أيضًا، وتابَعَ ابنَ عَجْلان "

خارجہ بن مصعبؒ (م ۱۶۸؁ھ) نے بھی (زید بن اسلمؒ (م ۱۳۶؁ھ) سے) "**وإذاقرأفأنصتوا**" کی زیادتی نقل کی ہے اور وہ ابن عجلانؒ (م ۱۴۸؁ھ) کی متابع ہے۔ (**العلل لابن ابی حاتم: ج ۲: ص ۳۹۵**)

خارجہ بن مصعبؒ (م ۱۶۸؁ھ) کی جرح وتعدیل میں حیثیت :

اثری صاحب نے خارجہ بن مصعبؒ (م ۱۶۸؁ھ) کے بارے میں اپنے مطلب کے اقوال نقل کئے ہیں کہ ابن معینؒ نے کذاب اور لیس بشئ قرار دیا ہے اور حاکم ابو احمدؒ، ابن خراش، ابن حجرؒ نے متروک قرار دیا ہے۔ (**توضیح الکلام: ص ۷۳۳**)

حالانکہ مشہور امام ابو حاتم الرازیؒ (م ۲۷۷؁ھ) نے کہا کہ " **لم يكن محله محل الكذب** " وہ کذاب نہیں ہیں، اسی طرح حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵؁ھ) نے کہا: "**و ليس هو ممن يتعمد الكذب** " وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہے۔ (**تہذیب الکمال: ج ۸: ص ۲۱**)، حافظ ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵؁ھ) نے کہا: " **هُوَ فِي نَفْسِهِ ثِقَةٌ**" وہ نفسہ ثقہ ہیں، اس قول کی شرح میں حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸؁ھ) نے کہا: کہ " **يَعْنِي أَنَّهُ لَيْسَ بِمُتَّهَمٍ**" یعنی وہ متہم نہیں ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: ج ۴: ص ۳۴۸، سیر وغیرہ**)

لہذا وہ کذاب نہیں ہیں۔

خارجہ بن مصعبؒ (م ۱۶۸؁ھ) کی روایت، متابعات میں قابل ذکر ہے:

- حافظ عبد الرحمٰن بن مہدیؒ (م ۱۹۸؁ھ) نے ان سے روایت لی ہے۔

---

[11] غیر مقلد عالم، علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ مدلس راوی کی اگر معتبر متابعات یا قوی شاہد مل جائے، تو تدلیس کا الزام ختم ہو جاتا ہے۔ (**نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام: ص ۳۷**)، چونکہ ابو موسی الاشعریؓ کی حدیث، ابن عجلانؒ (م ۱۴۸؁ھ) کی روایت کی قوی شاہد ہے، اس لئے ابن عجلانؒ پر تدلیس کا الزام باطل و مردود ہے۔

- حافظ یحیی بن یحییؒ (م۲۲۶؁ھ) نے کہا: " **خارجة عندنا مستقيم الحديث، و لم نكن ننكر من حديثه إلا ما يدلس عن غياث، فإنا كنا قد عرفنا تلك الأحاديث فلا نعرض لها** " خارجہ ہمارے نزدیک مستقیم الحدیث ہیں، ہم ان کی اسی حدیث کو منکر قرار دیتے جس میں وہ غیاث سے تدلیس کرتے، یقیناً ہم نے ان کی ان احادیث کو جان لیا، تو اس کو بیان نہیں کرتے۔

- امام ابو حاتم الرازیؒ (م۲۷۷؁ھ) نے کہا کہ " **مضطرب الحديث، ليس بقوى، يكتب حديثه و لا يحتج به مثل مسلم بن خالد الزنجي، لم يكن محله محل الكذب** " خارجہ مضطرب الحدیث، غیر قوی ہیں، ان کی حدیث لکھی جائے گی، لیکن ان سے احتجاج نہ کیا جائے گا، وہ مسلم بن خالد الزنجیؒ کی طرح ہیں، وہ کذاب نہیں ہیں۔[12]

- اسی طرح حافظ ابن عدیؒ (م۳۶۵؁ھ) نے بھی کہا: " **له حديث كثير، و أصناف فيها مسند و مقاطيع، و حدث عنه أهل العراق، و أهل خراسان، و هو ممن يكتب حديثه، و عندى أنه إذا خالف في الإسناد أو المتن فإنه يغلط و لا يتعمد، و إذا روى حديثا منكرا، فيكون البلاء ممن روى عنه، فيكون ضعيفا، و ليس هو ممن يتعمد الكذب** " ان کی احادیث بہت اور کئی طرح کی ہیں، جن میں مسند بھی ہیں اور **مقاطیع** بھی، ان سے اہل عراق اور اہل خراسان روایت کرتے ہیں، ان کی حدیث لکھی جائے گی، میرے نزدیک جب وہ سند یا متن میں کرتے مخالفت کرتے ہے، تو وہ غلطی کرتے ہیں مگر جان بوجھ کر نہیں، اور جب وہ کوئی منکر حدیث روایت کریں، تو اس میں بلاء انکے شاگرد کی طرف سے ہوگی کہ ان کا شاگرد ضعیف ہوگا، وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ (**تہذیب الکمال: ج۸: ص۱۸**)[13]

---

[12] **ایک اشکال اور اس کا جواب:**

خارجہ کو "**يكتب حديثه**" کہنے کے باوجود بھی، ان کا اعتبار نہ کرکے امام ابو حاتم الرازیؒ (م۲۷۷؁ھ) نے ابن عجلانؒ (م۱۴۸؁ھ) کی روایت کو ضعیف اس لئے کہا کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک ابن عجلانؒ نے "**و إذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادتی نقل کرنے میں دیگر ثقہ اصحاب کی مخالفت کی ہے، جب کہ ہمارے نزدیک یہ مخالفت ہرگز نہیں ہے، کیونکہ ابن عجلانؒ (م۱۴۸؁ھ) نے دیگر ثقہ اصحاب سے کوئی مخالفت نہیں کی، بلکہ ان سے ایک زائد جملہ "**و إذا قرأ فأنصتوا**" نقل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ابن عجلانؒ (م۱۴۸؁ھ) کی روایت میں خارجہؒ (م۱۶۸؁ھ) کو بطور متابع ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ائمہ ان کو متابعت میں قابل ذکر مانا ہے۔

[13] **نوٹ:**

- امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م۴۰۵ھ) نے ان کی روایت کو بطور شاہد ذکر کیا ہے۔ **(المستدرک للحاکم: ج۱: ص ۲۶۶، وغیرہ)**

- حافظ عبد الحق الاشبیلیؒ (م۵۸۱ھ) نے بھی کہا: "**خارجة هذا يكتب حديثه**" خارجہ کی حدیث لکھی جائے گی۔ **(الاحکام الوسطی: ج۴: ص۲۱۹)**

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ ضعیف راوی خارجہ بن مصعبؒ (م۱۶۸ھ) کی روایت متابعات میں قابل ذکر ہے۔ واللہ اعلم [14]

خارجہ بن مصعبؒ (م۱۶۸ھ) نے اس روایت میں کسی کی مخالفت نہیں کی، بلکہ زیادتی "**وإذا قرأ فأنصتوا**" نقل کی ہے۔ لہذا ان پر ابن عدیؒ کے الفاظ "**عندي أنه إذا خالف في الإسناد أو المتن فإنه يغلط ولا يتعمد**" فٹ کرنا صحیح نہیں ہے۔

[14] **تنبیہ نمبر ۱:**

امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) نے خارجہ کی روایت کو اختصار سند کے ساتھ یوں بیان کیا ہے کہ "**ورواه عمر بن هارون وهو ضعيف، عن خارجة بن مصعب، وهو ليس بالقوي، عن زيد بن أسلم، ولا يصح**"۔ (الخلافیات للبیہقی: ج۲: ص۴۷۰، نیز دیکھئے کتاب القراءت للبیہقی: ص ۱۳۲)، اس کی سند میں اگرچہ حافظ عمر بن ہارون البلخیؒ (م۱۹۴ھ) موجود ہیں۔

لیکن ان کے بارے میں امام بخاریؒ (م۲۵۶ھ) کہتے ہیں کہ وہ مقارب الحدیث ہیں اور سوائے اس حدیث "**أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها**" کہ میں ان کی کوئی روایت ایسی نہیں جانتا، جس میں وہ منفرد ہوں، یا اس کی اصل نہ ہو۔ **(سنن الترمذی: ج۵: ص۹۴)**، لہذا اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ خارجہ سے یہ روایت نقل کرنے میں بھی عمر بن ہارون البلخیؒ **(م۱۹۴ھ)** منفرد نہیں ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ حافظ ابو حاتم محمد بن ادریس الرازیؒ (م۲۷۷ھ) نے صیغہ جزم کے ساتھ کہا کہ "**وَقَدْ رَوَاهُ خارِجَةُ بنُ مُصْعَبٍ أيضًا، وتابَعَ ابنَ عَجْلان**"۔ **(العلل لابن ابی حاتم: ج۲: ص۳۹۵)**، لہذا حافظ عمر بن ہارون البلخیؒ (م۱۹۴ھ) کا ضعف مضر نہیں۔ واللہ اعلم

تنبیہ نمبر ۲:

اثری صاحب کہتے ہیں کہ خارجہؒ نے یہ روایت زید بن اسلم سے **معنعناً** بیان کی ہے۔ **(توضیح الکلام: ص۷۳۳)**، حالانکہ زید بن اسلمؒ (م۱۳۶ھ) سے نقل کرنے میں ان کے متابع میں ابن عجلانؒ (م۱۴۸ھ) موجود ہیں، جن کا مدلس نہ ہونا ثابت ہو چکا۔ **(دیکھئے ص:۴۱)** لہذا جب وہ متابعت میں موجود ہیں، تو خارجہؒ (م۱۶۸ھ) پر تدلیس کا الزام باطل و مردود ہے۔

متابع نمبر ۳:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی، تو نماز کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے قراءت کی، تو ایک صحابیؓ نے کہا: ہاں، تو حضور ﷺ نے فرمایا: تب ہی میں کہہ رہا تھا کہ قرآن کی قراءت میں مجھے سے کشمکش کیوں کی جا رہی ہے۔

پھر حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ لوگوں نے جہری نمازوں میں قراءت ترک کر دی جب انہوں نے حضور ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ **(سنن ابو داود: حدیث نمبر ۸۲۶)** [15]

لہذا اس روایت سے بھی "**وإذا قرأ فأنصتوا** " کی تائید ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث میں "**وإذا قرأ فأنصتوا**" کی زیادتی بالکل صحیح ہے، اس کا انکار درست نہیں۔

---

[15] اس روایت کی تفصیل اگلے شمارے میں آئے گی۔ (انشاء اللہ)

شمارہ نمبر ۱۶

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

ستمبر / ۲۰۲۰



دو ماہی مجلّہ

الاجماع



* امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔ (قسط ۳) * امام ابو منصور الماتریدیؒ (م ۳۳۳ھ) کی توثیق۔

* حافظ محمد بن یوسف الصالحیؒ (م ۹۴۲ھ) نے کئی ائمہ احناف کو ثقہ، ثبت قرار دیا ہے۔

* امام یزید بن ہارونؒ (م ۲۰۶ھ) کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) صدوق اور متقن ہیں۔

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔(قسط ٣)

(رسول اللہ ﷺ کے کلام مبارک سے)

- مولانا نذیر الدین قاسمی

دلیل نمبر ٣ :

امام ابو داود، سیلمان بن الاشعث السجستانیؒ (م ٢٧٥ھ) نے کہا:

حدثنا القعنبي، عن مالك، عن ابن شهاب، عن ابن أكيمة الليثي، عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة فقال: «هل قرأ معي أحد منكم آنفا؟»، فقال رجل: نعم، يا رسول الله، قال: «إني أقول مالي أنازع القرآن؟»، قال: فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه النبي صلى الله عليه وسلم بالقراءة من الصلوات حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ایک ایسی نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ ﷺ نے جہراً (زور سے) قراءت فرمائی تھی، پھر آپ نے دریافت فرمایا: کیا ابھی تم میں سے بھی کسی نے میرے ساتھ ساتھ قراءت کی؟ تو ایک صاحب نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول، آپ نے ارشاد فرمایا: تبھی تو میں کہوں کہ قرآن میں مجھ سے کشمکش کیوں کی جارہی ہے۔

آگے (حضرت ابو ہریرہؓ) کہتے ہیں: جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (نماز پڑھتے ہوئے) قراءت کرنے سے رک گئے، ان نمازوں میں جن میں آپ ﷺ بلند آواز سے قراءت فرماتے۔

(سنن ابو داود: حدیث نمبر ٨٢٦)

یہ روایت بالکل صریح ہے کہ جہری نمازوں میں قراءت منسوخ ہو گئی تھی۔

اس حدیث کو امام ابو داودؒ (م۲۷۵؁ھ)، امام ابو حاتم الرازیؒ (م۲۷۷؁ھ)، امام ترمذیؒ (م۲۷۹؁ھ)، امام ابو علی الطوسیؒ (م۳۱۲؁ھ)، حافظ ابن حبانؒ (م۳۵۴؁ھ)، امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م۴۰۵؁ھ)، حافظ بغویؒ (م۵۱۶؁ھ)، حافظ اعبد الحق الاشبیلیؒ (م۵۸۱؁ھ)، حافظ ابن قطانؒ (م۶۲۸؁ھ) وغیرہ نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ **(سنن ابو داود: حدیث نمبر ۸۲۶، شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۴۳۲، صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ۱۸۴۹، مصابیح السنۃ: ج ۱: ص ۳۳۲)**

لہذا یہاں پر رواۃ کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔[1]

اعتراض:

اثری صاحب نے کئی حفاظ سے نقل کیا کہ "**فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه**" کے الفاظ امام زہریؒ (م۱۲۵؁ھ) کا مدرج ہے، حضرت ابو ہریرہ کے الفاظ نہیں ہے۔

الجواب:

اولاً امام ابو داودؒ (م۲۷۵؁ھ) نے کہا کہ:

" **وقال ابن السرح في حديثه: قال معمر: عن الزهري، قال أبو هريرة: فانتهى الناس** "۔

امام ابو داوٗدؒ لکھتے ہیں: ابن سرحؒ نے اپنی حدیث میں یہ (بھی) کہا ہے کہ: **معمرؒ**، زہریؒ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: "پس لوگ رک گئے"۔ **(سنن ابو داود: حدیث نمبر ۸۲۷)**[2]

---

[1] **نوٹ:**

اس روایت میں ابن شہاب الزہریؒ (م۱۲۵؁ھ) نے ابن **اکیمة**ؒ (م۱۰۱؁ھ) سے سماع کی تصریح کر دی ہے، لہذا ان پر اس روایت میں تدلیس کا الزام مردود ہے۔

[2] **اعتراض:**

ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ اگر جملہ زہریؒ کا ہے، تو بھی مرسل اور اگر یہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے، تو بھی مرسل۔ **(توضیح الکلام: ص ۷۵۴)**

اسی طرح ثقہ، عابد، ابو محمد عبد اللہ بن عون الخراز البغدادیؒ **(م ۲۳۲ھ)** کی روایت کے اخیر میں بھی یہ جملہ ہے کہ ابوہریرہؓ نے فرمایا: (لوگوں نے جہری نمازوں میں قراءت ترک کر دی)۔ **(شرح ابن ماجہ لمغلطائی: ص ۱۴۳۲)**

غالباً یہی وجہ ہے کہ:

مشہور متکلم و صدوق[3] امام ابو منصور ماتریدیؒ **(م ۳۳۳ھ)**، محدث ابو عبد اللہ، محمد بن علی المازریؒ **(م ۵۳٦ھ)**، حافظ الحدیث، امام، قاضی عیاض القرطبیؒ **(م ۵۴۴ھ)**، حافظ ابو العباس القرطبیؒ **(م ٦۵٦ھ)** وغیرہ نے "**فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه**" کے جملہ کو حضرت ابوہریرہؓ کا قول قرار دیا ہے۔ **(تاویلات اھل السنة للماتریدی: ج ۵: ص ۱۲۸، شرح التلقین: ج ۱: ص ۵۹۴، ۵۱۷، اکمال للقاضی عیاض: ج ۲: ص ۲۷۸، المفہم للقرطبی ج ۲: ص ۲۸)**

اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

بالفرض اگر اثری صاحب کی یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ یہ امام زہریؒ کا قول ہے، امام ابوہریرہؓ کا نہیں، تب بھی یہ جملہ اپنی پوری قوت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ، حضرت نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے، جہری نمازوں میں قراءت نہیں کرتے تھے، چنانچہ:

الجواب:

امام زہریؒ **(م ۱۲۵ھ)** کے قول کو مرسل کہنا مردود ہے، کیونکہ امام زہریؒ نے "**قال أبو هريرة: فانتهى الناس**" کا جملہ اس حدیث کے فوراً بعد کہا ہے۔ لہذا یہی سمجھا جائے گا کہ زہریؒ کو حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول **ابن اکیمة** **(م ۱۰۱ھ)** کے واسطہ سے ملا، جیسا کہ محدثین کا منہج ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے غیر مقلد عالم، کفایت اللہ سنابلی کی کتاب **۴ دن قربانی کی مشروعیت: ص ۱۵**۔

لہذا اثری صاحب کا اعتراض مردود ہے۔

[3] دیکھئے **ص: ۲۸**۔

خود اہل حدیث حضرات کا اصول ہے کہ راوی حدیث اپنی حدیث کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے۔(**فتاوی الشیخ الالبانی فی المدینۃ والامارات: ص۱۴۶، فتاوی البانیہ: ص۲۳۶**)، تو امام زہریؒ (م۱۲۵ھ) اس حدیث کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں، لہذا ان کے الفاظ کا اعتبار کیا جائے گا۔

اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ (م۷۲۸ھ) کہتے ہیں :

وهذا إذا كان من كلام الزهري فهو من أدل الدلائل على أن الصحابة لم يكونوا يقرءون في الجهر مع النبي - صلى الله عليه وسلم - فإن الزهري من أعلم أهل زمانه، أو أعلم أهل زمانه بالسنة، وقراءة الصحابة خلف النبي - صلى الله عليه وسلم -

اور جب یہ امام زہریؒ کا کلام ہے، تو یہ اس بات پر سب سے مضبوط دلیل ہے پر کہ صحابہ کرامؓ جہری نمازوں میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تلاوت نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ امام زہریؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم، نیز سنت اور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قراءت کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔(**الفتاوی الکبری: ج۲: ص۲۹۱**)

لہذا قول راجح یہی ہے کہ یہ ابوہریرہؓ کا قول ہے۔واللہ اعلم

اور اثری صاحب کا اعتراض مردود ہے۔

دلیل نمبر ۴ :

امام بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) نے کہا:

أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن الحمامي المقرئ أنا أحمد بن سلمان الفقيه نا إبراهيم بن الهيثم نا آدم نا ابن أبي ذئب، عن محمد بن عمرو، عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما كان من صلاة يجهر فيها الإمام بالقراءة فليس لأحد أن يقرأ معه۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نماز میں امام جہر سے قراءت کرتا ہو، تو اس نماز میں کسی لئے جائز نہیں ہے کہ وہ امام کے ساتھ قراءت کرے۔(**کتاب القراءۃ للبیہقی: ص۱۴۴**)

سند کی تحقیق:

(۱) امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تاریخ الاسلام للذہبی)**

(۲) ابو الحسن، علی بن احمد بن عمر بغدادیؒ (م ۴۱۷ھ) بھی ثقہ، فاضل، مقری ہیں۔ **(السَّلسَبِيلُ النَّقِي في تَرَاجِمِ شيوخ البَيهَقِيّ: ص ۴۷۰)**

(۳) احمد بن سلمان، ابو بکر النجادؒ (م ۳۴۸ھ) صدوق، مکثر ہیں۔ **(الدلیل المغنی: ص ۹۱)**[4]

(۴) ابراہیم بن **الھیثم** البلدیؒ (م ۲۸۰ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج ۲: ص ۲۶۳)**

(۵) آدم بن ابی ایاسؒ (م ۲۲۱ھ) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ، عابد ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۳۲)**

(۶) محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئبؒ (م ۱۵۹ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، فاضل، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۰۸۲)**

(۷) محمد بن عمرو بن عطاء، ابو عبد اللہ المدنیؒ (م ۱۲۰ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۱۸۷)**

(۸) محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبانؒ بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۰۶۸)**

(۹) ابو ہریرہؓ مشہور صحابی رسول ﷺ اور حافظ الصحابہ ہیں۔

لہذا اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں، پس سند صحیح ہے۔

<u>اعتراض:</u>

اثری صاحب نے امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت منکر ہے اور مجموع اخبار میں، میں نے اسے کہیں نہیں پایا۔ **(توضیح الکلام: ص ۷۹۱)**

---

[4] اثری صاحب نے نقل کیا کہ ابو بکر النجاد کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، لیکن ان سے یہ روایت ابو الحسن، علی بن احمد بن عمر بغدادیؒ (م ۴۱۷ھ) نے نقل کی ہے، جو ابو بکر النجادؒ سے روایت کرنے میں مکثر ہیں، اور خود امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)، امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) کے نزدیک "**أبو الحسن علي بن أحمد المقرئ ببغداد، أنا أحمد بن سلمان النجاد**" کی سند مقبول ہے۔ **(الخلافیات للبیہقی: ج ۱: ص ۳۰۱)** نیز اثری صاحب کا اعتراض اسلئے بھی مردود ہے کہ اس روایت کے معنوی متابع و شاہد موجود ہیں۔ **(دیکھئے: دلیل نمبر ۲ اور اس کے شواہد و متابعات)**

الجواب:

چونکہ اس روایت کے شواہد موجود ہیں۔(**دیکھئے: دلیل نمبر ۲ اور اسکے شاہد و متابعات**) لہذا امام بیہقیؒ (**م ۴۵۸ھ**) کا اعتراض غیر صحیح ہے۔ واللہ اعلم

دلیل نمبر ۵:

حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (**م ۲۳۵ھ**) نے کہا:

نا زيد بن الحباب، نا معاوية بن صالح، قال: حدثني أبو الزاهرية، قال: حدثني كثير بن مرة الحضرمي، قال: سمعت أبا الدرداء، يقول: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفي كل صلاة قراءة؟ فقال: نعم فقال رجل من الأنصار: وجبت هذه، فقال له - وكان أقرب القوم إليه: ما أرى الإمام إذا أم القوم إلا قد كفاهم۔

رسول ﷺ سے سوال کیا گیا: کیا ہر نماز میں قراءت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ ایک انصاریؓ نے کہا کہ پھر تو قراءت واجب ہوگئی، تو رسول ﷺ نے ابو درداء سے کہا کہ جبکہ وہ آپ ﷺ سے سب سے قریب تھے کہ میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قراءت مقتدیوں کو کافی ہے۔(**مسند ابن ابی شیبہ: ج ۱: ص ۴۷**)

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (**م ۲۳۵ھ**) مشہور شیخین کے مشہور استاذ اور ثقہ، امام اور ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔

(۲) زید بن الحبابؒ (**م ۲۳۰ھ**) مسلم اور سنن اربع کے راوی، ثقہ، حافظ الحدیث اور امام ہیں۔(**سیر: ج ۹: ص ۳۹۳**)

آپؒ کی توثیق درج ذیل ہے:

- حافظ وکیعؒ (**م ۱۹۸ھ**) نے کہا: **نعم الرجل زيد بن حباب۔**
- امام یحیی بن معینؒ (**م ۲۳۳ھ**) نے کہا: **ثقة۔**
- امام علی بن المدینیؒ (**م ۲۳۴ھ**) نے کہا: **ثقة۔**

- ثقہ، ثبت، امام عبید اللہ القواریری (م۲۳۵ھ) نے کہا: **كان أبو الحسين العكلي ذكيا حافظا عالما۔**

- حافظ عثمان بن ابی شیبہ (م۲۳۹ھ) نے کہا: **ثقة۔**

- امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) نے کہا: **وكان يضبط الألفاظ عن معاوية بن صالح۔**

- حافظ احمد بن صالح المصری (م۲۴۸ھ) نے کہا: **وكان ثقة معروفا بالحديث، صدوقا إلا أنه كان يأنف أن يخرج كتابه، فكان يملي من حفظه، فربما وهم في الشيء، وكان راوية عن معاوية بن صالح والثوري وحسين بن واقد، وكان صاحب سنة، وكان محتاجا فقيرا متعففا كثير الحديث۔**

- حافظ ابو سعید الاشج (م۲۵۷ھ) نے کہا: **وكان نعم الرجل، كان والله حسن الخلق۔**

- امام عجلی (م۲۶۱ھ) نے کہا: **ثقة۔**

- امام ابو حاتم الرازی (م۲۷۷ھ) نے کہا: **صدوق، صالح الحديث۔**

- امام، حافظ ابو مسلم، ابراہیم بن عبد اللہ **الكجی** (م۲۹۲ھ) نے کہا: **كان ثقة معروفا بالحديث، صاحب سنة صدوقا كثير الحديث، كيسا صابرا على القدر حالا۔**

- حافظ ابوزکریا الازدی (م۳۳۴ھ) نے کہا: **وكان زيد فاضلا صالحا متعللا۔**

- حافظ ابن یونس مصری (م۳۴۷ھ) نے کہا: **كان جوالا فى البلاد فى طلب الحديث، وكان حسن الحديث۔**

- حافظ ابن عدی (م۳۶۵ھ) نے کہا: **له حديث كثير، وهو من أثبات مشائخ الكوفة ممن لا يشك فى صدقه، والذى قاله ابن معين عن أحاديثه عن الثورى، إنما له أحاديث عن الثورى يستغرب بذلك الإسناد، وبعضها ينفرد برفعه، والباقى عن الثورى، وغير الثورى مستقيمة كلها۔**

- امام ابو الحسن الدار قطنی (م۳۸۵ھ) نے کہا: **ثقة۔**

- امام ابن شاہین (م۳۸۵ھ) نے ثقات میں شمار کیا ہے۔

- حافظ ابن ماکولا (م۴۷۵ھ) نے کہا: **ثقة۔**

- حافظ ابو سعد السمعانیؒ (م ۵۶۲؁ھ) نے کہا: **كان صاحب حديث ۔**
- امام ابن خلفونؒ (م ۶۳۶؁ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔
- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸؁ھ) نے کہا: **الإِمَامُ، الحَافِظُ، الثِّقَةُ، الرَّبَّانِيُّ، و كان حافظا زاهدا رحالا جوالا۔**
- حافظ ماردینیؒ (م ۷۵۰؁ھ) نے کہا: **زيد بن الحباب ثقة مشهور ۔**
- حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵؁ھ) نے کہا: **زيد بن الحباب ثقة مشهور ۔**
- حافظ زین الدین عراقیؒ (م ۸۰۶؁ھ) نے کہا: **زيد بن الحباب ثقة حافظ ۔**
- حافظ بصیریؒ (م ۸۴۰؁ھ) نے کہا: **ثقة۔**
- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲؁ھ) نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔
- محدث عینیؒ (م ۸۵۵؁ھ) نے کہا: **ثقة۔**

ان کے علاوہ اور بھی کئی ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

لہذا زید بن الحبابؒ (م ۲۳۰؁ھ) ثقہ، حافظ الحدیث اور ثبت، امام ہیں۔

(تہذیب التھذیب: ج۳: ص ۴۰۲، تاریخ الاسلام: ج۵: ص۷۵، سیر: ج۹: ص ۳۹۳، اکمال تہذیب الکمال: ج۵: ص ۱۴۴، الجوھر النقی: ج۱: ص ۲۸۶، شرح علل الترمذی: ج۲: ص ۸۱۳، طرح التثریب: ج۴: ص ۳۷، اتحاف الخیرۃ المھرۃ: ج۲: ص ۱۵۶، نتائج الافکار: ج۱: ص ۲۶، نخب الافکار: ج۱۴: ص ۴۳۳)[5]

---

[5] **اعتراض:**

ان سب توثیقات کے باوجود اثری صاحب اور ان کے شیخ یحیی گوندلوی کہتے ہیں کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کثیر الخطاء ہے، اور امام ابن حبانؒ ثقات میں فرماتے ہیں کہ وہ خطا کر جاتے تھے۔ پھر آگے ان کو صدوق کثیر الخطاء کہتے ہیں۔ **(توضیح الکلام: ص ۹۶۷-۹۶۸)**

الجواب:

(۳)　معاویہ بن صالح حمصیؒ **(م ۱۵۸ھ)** مسلم، سنن اربع کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تحریر تقریب التہذیب: رقم ۶۷۶۲)**

(۴)　ابو الزاھریۃ الحمصیؒ **(م ۱۰۰ھ)** بھی صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۱۵۳)**

(۵)　کثیر بن مرۃ الحمصیؒ سنن اربع کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۶۳۱)**

(۶)　ابو درداء الانصاریؓ **(م ۳۲ھ)** مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب)**

لہذا اس کی سند صحیح اور تمام روات ثقہ ہیں۔ [6]

اکثر ائمہ نے ان کو ثقہ، ثبت، فاضل، ذکی، امام، حافظ الحدیث اور صاحب حدیث قرار دیا ہے۔

لہذا جمہور کے مقابلے میں امام احمدؒ کی جرح غیر صحیح اور مرجوح ہے۔

نیز امام احمدؒ **(م ۲۴۱ھ)** نے تسلیم کیا ہے کہ " **وکان یضبط الألفاظ عن معاویۃ بن صالح** " زید، معاویہ کے الفاظ کو ضبط (محفوظ) رکھتے تھے، اور ہماری یہ روایت بھی معاویہ بن صالح الحمصی **(م ۱۵۸ھ)** سے ہی مروی ہے، لہذا زید بن الحباب عن معاویہ کی روایت میں زید کا ضابط ہونا، تو خود امام احمدؒ کے نزدیک مسلم ہے۔ لہذا امام احمدؒ کی جرح " **عن معاویۃ بن صالح** " کے علاوہ پر محمول ہوگی۔

نیز حافظ ابن حجرؒ **(م ۸۵۲ھ)** نے بھی ان کو " **یخطیء فی حدیث الثوری** " قرار دیا ہے۔ **(تقریب)**، اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک کثیر الخطاء کی جرح عام نہیں ہے۔ اور " **زید بن الحباب عن معاویہ بن صالح** " صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔

اسی طرح شیخ الالبانیؒ **(م ۱۴۲۰ھ)** کہتے ہیں کہ " **في زید بن الحباب کلام لا یضر إن شاء اللہ تعالی** "۔ **(الصحیحۃ : ج ۴: ص ۲۷۵)** نیز دیکھئے **نثل النبال بمعجم الرجال الذین ترجم لھم فضیلۃ الشیخ المحدث أبو إسحاق الحوینی : ج ۲: ص ۳۰۔**

اور امام ابن حبانؒ **(م ۳۵۴ھ)** تو جرح میں متشدد ہیں، جیسا کہ ائمہ حدیث واقف ہیں، لہذا ان حضرات کی جرح سے زید بن الحبابؒ **(م ۲۳۰ھ)** کی روایت پر کوئی فرق نہیں پڑھتا، خاص طور سے جب کہ ان کا متابع بھی موجود ہے۔ لہذا ان پر اعتراض ہی مردود ہے۔

[6] **اعتراض:**

اثری صاحب کہتے ہیں کہ ابو صالح جو کثیر الغلط ہیں، وہ اسے معاویہ بن صالح سے مرفوع بیان کرتے ہیں، اور زیدؒ گو اس کا متابع ہے، مگر اس کی حدیث میں بھی وہم پایا جاتا ہے۔ پھر امام حمدؒ، اور فضلؒ اسی (زید بن الحباب) سے یہ جملہ موقوف بیان کرتے ہیں۔ گو زید خود اس روایت میں متردد ہیں۔ کبھی اسے مرفوع اور کبھی موقوف بیان کرتے ہیں۔

ان کے برعکس امام عبد الرحمٰن بن مہدیؒ، امام عبد اللہ بن وہبؒ اور حماد بن خالدؒ اسے معاویہ بن صالحؒ سے موقوف ہی بیان کرتے ہیں۔۔۔ خدارا ذرا غور کیجیے! ایک طرف ثقہ، ثبت اور حافظ الحدیث راوی تو اسے موقوف بیان کریں، مگر ان کے مقابلہ میں صدوق، کثیر الخطا راوی (اور ان میں بھی ایک موقوف بیان کرنے والا) اسے مرفوع نقل کرے، تو ترجیح کس کو ہوگی؟ ثقہ اوثق کی مخالفت کرے تو روایت شاذ ہوگی مگر صدوق کثیر الخطا کی روایت، کیا مخالفت میں مقبول اور محفوظ ہوگی؟؟ **(توضیح الکلام: ص ۹۶۸)**

الجواب:

اولا　زید بن الحبابؒ **(م ۲۳۰ھ)** کو صدوق کثیر الخطاء کہنا مردود ہے۔ کیونکہ وہ ثقہ، ثبت، فاضل، ذکی، امام، حافظ الحدیث اور صاحب حدیث ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ **(م ۲۴۱ھ)** نے ان کو خاص معاویہ بن صالحؒ **(م ۱۵۸ھ)** کی روایت میں "ضابط" قرار دیا ہے اور یہاں بھی معاویہؒ کی روایت ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، اس لحاظ سے اس روایت میں زید بن الحبابؒ **(م ۲۳۰ھ)** پر کثیر الخطا کی جرح فٹ ہی نہیں ہوتی۔

دوم　ابو صالح، عبد اللہ بن صالح المصریؒ **(م ۲۲۲ھ)** کے بارے میں قول فیصل آرہا ہے کہ جب ان سے اہل حذق روایت کریں، تو ان کی حدیث صحیح ہوگی۔ **(ص: ۱۱)** لہذا ان کا کثیر الغلط ہونا بھی مضر نہیں، کیونکہ یہاں ان سے یہ روایت امام العلل اور امام الجرح والتعدیل، محمد بن اسحاق الصاغانیؒ **(م ۲۷۰ھ)** نے لی ہے۔ نیز ان کے متابع، ایک اور ثقہ راوی عمرو بن الولید الاغضفؒ **(م ۱۸۱ھ)** بھی موجود ہیں، جیسا کے تفصیل آرہی ہے۔

لہذا ابو صالح، عبد اللہ بن صالح المصریؒ **(م ۲۲۲ھ)** پر اعتراض مردود ہے۔

سوم　زید بن الحبابؒ **(م ۲۳۰ھ)** یہ روایت موقوفاً بھی بیان کرتے ہیں، جس کا اقرار اثری صاحب نے بھی کیا ہے۔ لہذا زید بن الحبابؒ **(م ۲۳۰ھ)** نے یہاں دوسرے حفاظ کی موافقت کی ہے۔ اور اس موافقت کے علاوہ انہوں نے ایک زائد روایت بھی نقل کی ہے، جس میں انہوں نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے، پس یہ زیادتی ہوئی، مخالفت نہیں، اور ثقہ، حافظ، ثبت، امام اور صاحب حدیث کی زیادتی قابل قبول ہوتی ہے۔ لہذا یہ زیادتی مقبول ہے، اثری صاحب کا اسے مخالفت کہنا مردود ہے۔ واللہ اعلم

چہارم　ائمہ محدثین کا اصول ہے کہ اگر کوئی ثقہ راوی کسی حدیث کو کبھی مرفوعاً، کبھی موقوفاً، کبھی مرسلاً بیان کرتا ہے، تو وہ حدیث مرفوعاً ہی تسلیم کی جائے گی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے **ص: ۲۳**) اور زید بن الحبابؒ **(م ۲۳۰ھ)** ثقہ، امام، حافظ الحدیث اور ثبت، فاضل ہیں،

نیز زید بن الحباب(م ۲۳۰؁ھ) کے متابعات بھی موجود ہے۔

متابع نمبر ۱:

اور امام ابو بکر البیہقیؒ(م ۴۵۸؁ھ) نے اس روایت کی ایک اور سند ذکر کی ہے: چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ, ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب نا محمد بن إسحاق, ثنا أبو صالح, حدثني معاوية بن صالح, حدثني أبو الزاهرية, حدثني كثير بن مرة الحضرمي, قال: سمعت أبا الدرداء, يقول: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفي كل صلاة قراءة؟ فقال: «نعم» فقال رجل من الأنصار: وجبت هذه فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم وكنت أقرب القوم إليه: ما أرى الإمام إذا أم القوم إلا قد كفاهم۔ (كتاب القراءت للبيهقي: ص ۱۷۱)

سند کے روات کی تحقیق:

(۱) امام ابو بکر البیہقیؒ(م ۴۵۸؁ھ)،

(۲) امام ابو عبد اللہ الحاکم صاحب المستدرکؒ(م ۴۰۵؁ھ)،

(۳) ابو العباس، محمد بن یعقوب الاصمؒ(م ۳۴۶؁ھ) وغیرہ مشہور ائمہ ثقات میں سے ہیں۔

(۴) محمد بن اسحاق، ابو بکر الصاغانیؒ(م ۲۷۰؁ھ) صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ، ثبت، حجت، امام ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۷۲۱، سیر)**

- حافظ ذہبیؒ(م ۷۴۸؁ھ) نے کہا: " **طوّف وجال، وأكثر التّرحال، وبرع فِي العِلَل والرجال** "۔ **(تاریخ الاسلام: ج۶: ص ۳۹۴)** ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ " **وَكَانَ ذَا مَعْرِفَةٍ وَاسِعَةٍ، وَرِحلَةٍ شَاسعَةٍ** "۔ **(سیر: ج۱۲: ص ۵۹۲)**،

جیسا کہ گزر چکا، لہذا ان کا اس روایت کو کبھی مرفوعاً اور کبھی موقوفاً بیان کرنا مضر نہیں ہے۔ لہذا الفاظ " **ما أرى الإمام إذا أم القوم إلا قد كفاهم** " کا مرفوع ہونا ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

نیز حافظ ذہبیؒ (م۷۴۸ھ) نے آپؒ کو " **ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل** " میں بھی شمار کیا ہے۔ (**ذکر من یعتمد: ص۱۹۳**)، ابو مزاحم الخاقانیؒ (م۳۲۵ھ) کہتے ہیں کہ " **كان الصاغاني يشبه يحيى بن معين في وقته** " امام صاغانیؒ اپنے وقت میں ابن معینؒ کے مشابہ تھے۔

ائمہ نے انکی اعلی درجہ کی توثیق کی ہے۔ (**تہذیب الکمال: ج۲۴: ص۳۹۶، تاریخ ابن عساکر: ج۵۰: ص۲۰**)

(۵) ابو صالح، عبد اللہ بن صالح المصری کاتب اللیثؒ (م۲۲۲ھ) کی توثیق مفسر کرتے ہوئے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) نے کہا:

"**ظاهر كلام هؤلاء الأئمة أن حديثه في الأول كان مستقيمًا ثم طرأ عليه فيه تخليط، فمقتضى ذلك أن ما يجيئ من روايته عن أهل الحذق كيحيى بن معين البخاري وأبي زرعة وأبي حاتم فهو من صحيح حديثه**"

ان ئمہ کے کلام کا ظاہر ہے کہ ابو صالحؒ کی پہلے زمانے کی احادیث مستقیم تھی، پھر بعد میں ان میں تخلیط آ گئی، لہذا یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ جو احادیث، ان سے حدیث کے ماہرین، جیسا کہ یحیی بن معینؒ، بخاریؒ، ابو زرعہؒ، ابو حاتمؒ روایت کریں، تو ان کی وہ حدیث صحیح ہوگی۔ (**تحفة اللبيب بمن تكلم فيهم الحافظ ابن حجر من الرواة في غير التقريب: ج۱: ص۴۸۲**)

نوٹ:

ابو صالحؒ (م۲۲۲ھ) کی یہ حدیث بھی، حدیث کے ماہر، امام العلل و الرجال، ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث محمد بن اسحاق، ابو بکر الصاغانیؒ (م۲۷۰ھ) نے روایت کی ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

لہذا اس روایت میں ابو صالحؒ (م۲۲۲ھ) پر کلام باطل و مردود ہے۔

(۶) معاویہ بن صالح الحمصیؒ (م۱۷۰ھ)،

(۷) ابو الزاھریۃ الحمصیؒ (م۱۰۰ھ)،

(۸) کثیر بن مرۃ الحمصیؒ وغیرہ کی توثیق گزر چکی۔

(۹) ابو درداء الانصاریؓ (م۳۲ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (**تقریب**)

لہذا یہ سند حسن ہے۔

متابع نمبر ٢:

حافظ مغلطائیؒ (م٧٦٢ھ) نے اس روایت کی تیسری سند بھی ذکر کی ہے، چنانچہ حافظ ابو القاسم الطبرانیؒ (م٣٦٠ھ) سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قال الطبراني في الكبير: ثنا عبدان بن أحمد ثنا زيد بن الحريش، ثنا عمرو بن الوليد الأغصف عن معاوية عن يونس بن ميسرة عن أبي إدريس عن أبي الدرداء: "سأل رجل النبي -عليه السلام- فقال: أفي كل صلاة قراءة: قال: "نعم" قال رجل من القوم: وجب هذا: فقال -عليه السلام-: ما أرى الإمام إذا قرأ إلا كان كافيًا۔ (معجم الكبير للطبرانی بحوالہ **شرح ابن ماجة للمغلطائی: ص ١٤٢١)**

سند کی تحقیق:

(١) حافظ ابو القاسم الطبرانیؒ (م٣٦٠ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(ارشاد القاصی والدانی)**

(٢) عبدان بن احمد سے مراد عبد اللہ بن احمد بن موسی، ابو محمد العسکری القاضیؒ (م٣٠٧ھ) ہیں، اور وہ ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(ارشاد القاصی والدانی: ص ٣٦٨)**

(٣) زید بن الحریش الاھوازیؒ (م٢٤١ھ) بھی صدوق، صاحب حدیث ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ج٥: ص١١٤٣، کتاب الثقات للقاسم: ج٤: ص٣٤٧، الکامل: ج١: ص٤٥٩، ٧٩، صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ١٣٤٥، مجمع الزوائد: حدیث نمبر ١٨٠٢٨)**

(٤) عمرو بن الولید الاغضفؒ (م١٨١ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج٧: ص٣٧١، التذییل علی کتب الجرح و التعدیل: ص٢٢١)**

(٥) معاویہ بن یحیی الصدفی کی روایات میں کلام ہے، حافظ ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ ان کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا۔ **(میزان الاعتدال: ج٤: ص١٣٨)**

بعض ائمہ نے کہا کہ جو روایات انہوں نے شام میں بیان کی ہیں وہ احسن ہیں اور جو "رے" میں بیان کی ہیں وہ ضعیف ہیں، بعض نے کہا عیسی بن یونس اور اسحاق بن سلیمان الرازی سے مروی روایات مقلوبہ ہیں۔ (**تہذیب التہذیب وغیرہ**)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (**م ۸۵۲ھ**) نے بھی کہا: " **ضعیف و ما حدث بالشام أحسن مما حدث بالری**"۔ (**تقریب: رقم ٦٧٧٢**)

اور امام دار قطنیؒ (**م ۳۸۵ھ**) کہتے ہیں " **حدثھم بالري بأحادیث من حفظه وھم فیھا علی الزھري، وأما روایته عن الزھري فھي من غیر طریق إسحاق مستقیمة، یشبه أن یکون من کتابه** "

کہ معاویہ نے جو روایات رئے میں اپنے حافظہ سے بیان کی ہیں، ان روایات میں زہری سے بیان کرنے میں ان کو وہم ہوا ہے، اور اسحاق کی طریق سے علاوہ سے مروی ان کی عن الزہری کی روایات مستقیم ہیں، گویا وہ معاویہ کی کتاب لی گئی ہیں۔ (**موسوعۃ اقوال امام الدار قطنی: ج ۲: ص ٦٥٦**)، حافظ ابن حبانؒ (**م ۳۵٦ھ**) کہتے ہیں کہ "**في روایة الشامیین عند الھقل بن زیاد وغیرہ أشیاء مستقیمة، تشبه حدیث الثقات** "شامی حضرات کی روایات میں **الھقل** بن زیاد کے پاس اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کے پاس معاویہ کی روایات میں کی کئی روایات مستقیم ہیں، جو کہ ثقات کی حدیث کے مشابہ ہیں۔ (**المجروحین: ج ۳: ص ۳**)

زیر بحث روایت میں عمرو بن الولید **الاغضف**ؒ (**م ۱۸۱ھ**) کے تعلق سے ائمہ کی صراحت نہیں ملی کہ انہوں نے معاویہ سے ان کے حافظہ کے متغیر ہونے سے پہلے روایت لی ہے یا نہیں، لیکن متابعات ہونے کی صورت میں ان پر کلام کرنا ہی فضول و بیکار ہے۔

(٦) یونس بن میسرۃ بن حلبسؒ (**م ۱۳۲ھ**) بھی ثقہ، عابد ہیں۔ (**تقریب: رقم ٧٩١٦**)

(٧) ابو ادریس الخولانیؒ (**م ۸۰ھ**) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تہذیب التہذیب: ج ۵: ص ۸٦**)

(٨) ابو درداء الانصاریؓ (**م ۳۲ھ**) مشہور صحابی ہیں۔ (**تقریب**)

لہذا متابعت کی وجہ سے یہ روایت بھی حسن ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابو بکر الجصاص الرازیؒ (م ۳۷۰ھ)، قاضی ابو عبد الوہاب المالکیؒ (م ۴۲۲ھ)، امام قدوریؒ (م ۴۲۸ھ)، حافظ مغلطائی (م ۷۶۲ھ)، حافظ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) وغیرہ نے اس روایت کو مرفوعاً تسلیم کیا ہے۔ **(شرح مختصر الطحاوی: ج ۱: ص ۶۵۴، الاشراف علی نکت مسائل الخلاف: ج ۱: ص ۲۴۰، التجرید القدوری: ج ۲: ص ۵۱۲، شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۴۳۹، مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۲۶۴۴)**

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ثابت ہے اور "**ما أرى الإمام إذا أم القوم إلا قد كفاهم**" کا قول مرفوع ہے۔ واللہ اعلم

دلیل نمبر ۶:

حضرت ابو بکرہؓ (م ۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ

أنه انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو راكع، فركع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: زادك الله حرصا ولا تعد.

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کی حالت میں پایا، تو وہ بھی صف میں ملنے سے پہلے رکوع میں چلے گئے، (اور بعد میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے صف میں مل گئے)، پھر انہوں نے اس بات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے، دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ **(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۷۸۳)**

وضاحت:

اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا، جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا اصرار ہے، تو امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی رکعت کا اعتبار نہ ہوتا، لیکن اس صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی وہ رکعت صحیح و درست ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرہؓ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

لہذا یہ روایت صریح ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔[7]

---

[7] اثری صاحب نے اس روایت کا کوئی مناسب جواب نہیں دیا، بلکہ الٹا یہ کہنے لگے کہ وہ رکعت جس میں قیام اور فاتحہ رہ جائے، اس کو مکمل رکعت شمار کرنا صحیح نہیں ہے، امام علی بن مدینیؒ، امام بخاریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۸۱۴)** حالانکہ امام ابن مدینیؒ، امام بخاریؒ سے سند صحیح کے ساتھ یہ بات ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ جزء القراءۃ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) سے ثابت نہیں۔ **(مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۳)** نیز ان

دلیل نمبر ۷:

مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القیروانیؒ (م ۲۷۳ھ) نے کہا:

حدثنا علي بن محمد قال: حدثنا وكيع، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن الأرقم بن شرحبيل، عن ابن عباس، قال: "لما مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم مرضه الذي مات فيه، كان في بيت عائشة، فقال: ادعوا لي عليا قالت عائشة: يا رسول الله ندعو لك أبا بكر؟ قال: ادعوه قالت حفصة: يا رسول الله ندعو لك عمر؟ قال: ادعوه قالت أم الفضل: يا رسول الله ندعو لك العباس؟ قال: نعم، فلما اجتمعوا رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه، فنظر فسكت، فقال عمر: قوموا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم جاء بلال يؤذنه بالصلاة، فقال: مروا أبا بكر فليصل بالناس فقالت عائشة: يا رسول الله إن أبا بكر رجل رقيق حصر ومتى لا يراك يبكي، والناس يبكون، فلو أمرت عمر يصلي بالناس، فخرج أبو بكر فصلى بالناس، فوجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في نفسه خفة، فخرج يهادى بين رجلين، ورجلاه تخطان في الأرض، فلما رآه الناس سبحوا بأبي بكر فذهب ليستأخر، فأومأ إليه النبي صلى الله عليه وسلم أي مكانك، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس عن يمينه، وقام أبو بكر، وكان أبو بكر يأتم بالنبي صلى الله عليه وسلم، والناس يأتمون بأبي بكر، قال ابن عباس: وأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم من القراءة من حيث كان بلغ أبو بكر.

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں (جس کا خلاصہ یہ) کہ انحضرت ﷺ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو حضرت ابو بکرؓ کو آپ نے امامت سپرد کی۔ تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ میں باجماعت نماز ادا کروں۔ پہلے آپ ﷺ کو تکلیف زیادہ تھی۔ پھر جب مرض میں تخفیف ہوئی۔ تو آپ ﷺ دو آدمیوں کے سہارے پر آہستہ آہستہ چل کر مسجد میں پہنچے اور آپ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔

اس سے پہلے ابو بکرؓ نماز شروع کر چکے تھے۔ اور ایک حد تک قرآت بھی کر چکے تھے۔ غرضیکہ آپ صفوں میں سے گزرتے ہوئے حضرت ابو بکر کے پہلو میں جا پہنچے وہ پیچھے ہٹ آئے اور ان کی جگہ آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے

شاءاللہ آنے والے شماروں میں اس مسئلہ پر صحیح احادیث کے ساتھ تفصیلاً بحث آرہی ہے کہ کیا رکوع ملنے سے رکعت ہوگی، یا نہیں۔ لہذا اثری صاحب کی بات غیر صحیح ہے۔

اور بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ چونکہ آپ بیماری کی وجہ سے بلند آواز سے بول نہیں سکتے تھے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں تک آواز پہنچانے میں مکبر کا فریضہ انجام دیا اور **جب آپ ﷺ پہنچے تو وہیں سے آپ ﷺ نے قراءت شروع کی، جہاں تک ابو بکر قراءت کر چکے تھے۔ (سنن ابن ماجہ: حدیث نمبر ۱۲۳۵)**

سند کی تحقیق:

(۱)　امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القیروانیؒ (**م۲۷۳؁ھ**) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تہذیب التہذیب)**

(۲)　حافظ علی بن محمد الطنافسیؒ (**م۲۳۵؁ھ**) بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۳۵)**

(۳)　امام وکیع بن الجراحؒ (**م۱۹۷؁ھ**) صحیحین کے مشہور ثقہ راوی، حجت، امام اور حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب: رقم ۷۴۱۷، اکمال تہذیب الکمال)**

(۴)　اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الکوفیؒ (**م۱۶۰؁ھ**) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۰۱)**

اور ان کا اپنے دادا ابو اسحاق السبیعی الکوفیؒ (**م۱۲۹؁ھ**) کی **روایت میں کیا مقام ہے**، اس کو ملاحظہ فرمایئے:

- صدوق، امام یونس بن ابی اسحاقؒ (**م۱۵۲؁ھ**) نے کہا: "**اذهبوا إلى ابني إسرائيل، فهو أروى عنه مني، وأتقن لها مني، وهو كان قائد جده**"۔

- اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الکوفیؒ (**م۱۶۰؁ھ**) نے خود اپنے بارے میں کہا: "**كنت أحفظ حديث أبي إسحاق كما أحفظ السورة من القرآن**"۔

- ثقہ، ثبت، حافظ حجاج الاعورؒ (**م۲۰۶؁ھ**) نے کہا: "**قلنا لشعبة حدثنا حديث أبي إسحاق**" تو جواب میں امام شعبہ بن الحجاجؒ (**م۱۶۰؁ھ**) نے کہا: "**سلوا عنها إسرائيل فإنه أثبت فيها مني**"۔

- سلام بن سلیم، ابو الاحوص الکوفیؒ (**م۱۷۹؁ھ**): "**ذكر عن أبي إسحاق قال: ما ترك لنا إسرائيل كوة ولا سفطا إلا دحسها كتبا**"۔

- امام عبد الرحمٰن بن مہدیؒ (**م۱۹۸؁ھ**) نے کہا: "**إسرائيل في أبي إسحاق أثبت من شعبة والثوري**"۔

- امام یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے کہا: " **إسرَائیل أثبت في أَبي إسحَاق من شَیبَان** "۔

- امام ابو حاتم الرازیؒ (م ۲۷۷ھ) نے کہا: " **ثقة صدوق من أتقن أصحاب أبی إسحاق** "۔

ایک اور مقام پر کہا: " **إسرائیل سماعه من أبي إسحاق قدیم** "۔ **(الجامع فی الجرح والتعدیل: ج ۲: ص ۲۹۳)**

- امام ابو عیسی الترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے کہا: " **إسرائیل ثبت فی أبی إسحاق** "۔

- امام ابو الحسن الدار قطنیؒ (م ۳۸۵ھ) نے کہا: " **إسماعیل، یعني ابن أبي خالد، وإن کان ثقة فهؤلاء (یعني شعبة والثوري وإسرائیل) أقوم منه لحدیث أبي إسحاق** "۔

اور ایک مقام پر کہا: " **إسرائیل من الحفاظ عن أبي إسحاق** "۔

- امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)۔ **(السنن الکبری: ج ۷: ص ۱۰۸)**

- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا: " **نعم، لیس هو في التثبت کسفیان وشعبة، ولعله یقاربهما في حدیث جده، فإنه لازمه صباحا ومساء عشرة أعوام** "۔

- حافظ ابن القیمؒ (م ۷۵۱ھ) نے کہا: " **إسرائیل أعلم بجده** "۔

- حافظ صلاح الدین العلائیؒ (م ۷۶۱ھ) نے کہا: " **وقال ابن معین: إنما أصحاب أبي إسحاق شعبة وسفیان الثوري قلت: ومثلهم أیضا إسرائیل بن یونس وأقرانه ولم یعتبر أحد من الأئمة ما ذکر من اختلاط أبي إسحاق احتجوا به مطلقا وذلك یدل علی أنه لم یختلط في شيء من حدیثه** "۔ **(المختلطین للعلائی: ص ۹۴)**

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا: " **سماعه من أبي إسحاق في غایة الإتقان للزومه إیاه لأنه جده وکان خصیصًا به** "۔

ایک اور مقام پر کہا کہ " **من أثبت الناس في جده** "۔

(تہذیب التہذیب: ج۱: ص ۲۶۱، موسوعة اقوال ابی الحسن الدارقطنی: ج۱: ص ۱۱۹، سیر: ج۷: ص ۳۵۸، اعلام الموقعین: ج۳: ص ۱۳۲، تحفة اللبیب بمن تکلم فیهم الحافظ ابن حجر من الرواة في غير التقريب: ج۱: ص ۲۸۹)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسرائیل بن یونسؒ **(م ۱۶۰ھ)** اپنے دادا ابو اسحاق السبیعی الکوفیؒ **(م ۱۲۹ھ)** کی روایت میں **قدیم السماع**، اثبت الناس، اتقن اور حافظ ہیں۔ واللہ اعلم [8]

(۵) ابو اسحاق، عمرو بن عبد اللہ السبیعی الکوفیؒ **(م ۱۲۹ھ)** صحیحین کے رواۃ اور ثقہ، **مکثر** اور عابد ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۰۶۵)** [9]

---

[8] **نوٹ:**

جمہور کے ان ارشادات کے خلاف، اثری صاحب کا یہ کہنا کہ اسرائیل نے اپنے دادا سے پہلے اور بعد از اختلاط دونوں حالتوں میں سماع کیا ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۸۲۷)** باطل و مردود ہے۔ کیونکہ یہ بات ائمہ میں سے کسی نے نہیں کہی ہے۔ فیما اعلم۔

نیز اسرائیل بن یونسؒ **(م ۱۶۰ھ)** کی ولادت **(۱۰۰ھ)** میں ہوئی، **(تہذیب الکمال)**، جب کہ ابو اسحاق **السبیعی** الکوفیؒ کی وفات **(م ۱۲۹ھ)** ہوئی۔ اور ابو اسحاق السبیعی الکوفیؒ کا اختلاط آخری عمر میں ہوا۔

اس لحاظ سے قارئین خود فیصلہ کریں، کہ کیا اسرائیلؒ **(م ۱۶۰ھ)** کا ابو اسحاقؒ **(م ۱۲۹ھ)** سماع بعد الاختلاط ہو سکتا ہے ؟؟؟، لہذا امام احمدؒ وغیرہ کے اقوال شاذ اور غیر صحیح ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ اسرائیل بن یونسؒ **(م ۱۶۰ھ)** اپنے دادا ابو اسحاق السبیعی الکوفیؒ **(م ۱۲۹ھ)** کی روایت میں قدیم السماع، اثبت الناس، اتقن اور حافظ ہیں۔ واللہ اعلم

[9] **نوٹ:**

ابو اسحاق **السبیعی** الکوفیؒ **(م ۱۲۹ھ)** پر تدلیس کا الزام بھی مردود ہے، کیونکہ ان کے متابع عبد اللہ بن ابی سفرؒ موجود ہیں۔ **(جزء فيه ستة مجالس من أمالي القاضي أبي يعلى الفراء: ص ۶۷، طبع دار البشائر، مسند ابو يعلى الموصلی: ج ۱۲: ص ۶۲، کتاب الفوائد (الغیلانیات) : ص ۲۸۰)**، نیز ایک شاہد **ابن ابی ملیکة**ؒ **(م ۱۱۷ھ)** بھی موجود ہیں۔ **(عمدة القاری: ج ۵: ص ۱۸۷)**، لہذا ان پر تدلیس کا الزام باطل ہے۔

(٦) ارقم بن شرجیلؒ سنن ابن ماجہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ٢٩٩**)

(٧) عبد اللہ بن عباسؓ (م ٦٨ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ اور امام المفسرین ہیں۔

لہذا یہ سند صحیح ہے۔

حافظ ضیاء الدین مقدسیؒ (م ٦٤٣ھ)، شیخ شعیب الارنووط اور شیخ عادل مرشد وغیرہ نے صحیح اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ٨٥٢ھ) نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔(**الاحادیث المختارۃ للمقدسی: ج٩: ص٤٩٧، حاشیہ مسند احمد بتحقیق الارنووط وعادل: ج٥: ص٣٤٨، فتح الباری: ج٢: ص١٧٤**)

اس روایت کے متابع وشاہد:

متابع نمبر ١:

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الکوفیؒ (م ١٦٠ھ) کی طرح، ابو اسحاق، عمرو بن عبد اللہ السبیعی الکوفیؒ (م ١٢٩ھ) سے زکریا بن ابی زائدۃؒ (م ١٤٩ھ) نے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو یعلی الموصلیؒ (م ٣٠٧ھ) کہتے ہیں:

حدثنا أبو معمر، حدثنا ابن أبي زائدة، عن أبيه، عن أبي إسحاق، عن الأرقم بن شرحبيل، عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم أخذ من القراءة من حيث انتهى أبو بكر۔ (مسند ابو یعلی الموصلی: ج٥: ص٩٧، حدیث نمبر ٢٧٠٨)

شیخ حسین سلیم اسد نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔(**مسند ابو یعلی الموصلی بتحقیق شیخ حسین: ج٥: ص٩٧، حدیث نمبر ٢٧٠٨**)

متابع نمبر ٢:

امام ابو یعلی الموصلیؒ (م ٣٠٧ھ) ہی کہتے ہیں:

حدثنا موسى بن محمد، حدثنا عبد الله بن رجاء، حدثنا قيس بن الربيع، عن ابن أبي السفر، عن ابن شرحبيل، عن ابن عباس، عن العباس قال: دخلت على رسول الله صلى الله

عليه وسلم وعنده نساؤه فاستترن مني إلا ميمونة، فدق له سعطة فلد، فقال: لا يبقين في البيت أحد إلا لد إلا العباس، فإنه لم تصبه يميني. ثم قال: مروا أبا بكر يصلي بالناس. فقالت عائشة لحفصة: قولي له إن أبا بكر إذا قام ذلك المقام بكى. فقالت له، فقال: مروا أبا بكر يصلي بالناس. فصلى أبو بكر، ثم وجد رسول الله صلى الله عليه وسلم خفة فخرج، فلما رآه أبو بكر تأخر، فأومأ إليه بيده: أي مكانك. فجاء فجلس إلى جنبه، فقرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث انتهى أبو بكر۔ (مسند ابو يعلى الموصلي: ج ١٢: ص ٦٢، حديث نمبر ٦٧٠٤)

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں، سوائے قیس بن الربیعؒ (م ۱۶۹ھ) وہ صدوق اور مختلط ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۵۷۳)**، نیز عبد اللہ بن رجاء البصریؒ (م ۲۲۰ھ) کے علاوہ قیس بن الربیعؒ (م ۱۶۹ھ) سے یہ روایت محمد بن الصلتؒ (م ۲۲۰ھ) اور یحیی بن آدمؒ (م ۲۰۳ھ) وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ **(جزء فيه ستة مجالس من أمالي القاضي أبي يعلى الفراء: ص ٦٧، طبع دار البشائر، كتاب الفوائد (الغيلانيات): ص ٢٨٠)**

یعنی مختلط راوی کا ایک جماعت کو یہ روایت ایک ہی طرح بیان کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت قیس بن الربیعؒ (م ۱۶۹ھ) کے پاس محفوظ تھی۔ **(اتحاف النبيل: ج ٢: ص ٢٥٣)**، لہذا اعتراض مردود ہے۔

شاہد نمبر ۳:

حافظ اسد بن موسیٰؒ (م ۲۱۲ھ) نے کہا:

حدثنا أبو معاوية عن عبد الرحمن بن أبي بكر عن ابن أبي مليكة عن عائشة في حديث طويل في مرض النبي صلى الله عليه وسلم: ورأى رسول الله صلى الله عليه وسلم من نفسه خفة، فانطلق يهادي بين رجلين، فذهب أبو بكر يستأخر فأشار إليه النبي صلى الله عليه وسلم بيده: مكانك، فاستفتح النبي صلى الله عليه وسلم من حيث انتهى أبو بكر من القراءة۔ (فضائل الصحابة: ج ٤: ص ١٠٧)

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں، سوائے عبد الرحمٰن بن ابی بکرؒ کے، وہ ضعیف ہیں، لیکن متابعات میں قابل ذکر ہیں۔ **(تہذیب التہذیب: ج ٦: ص ١٤٦)**

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت متابع و شاہد کے ساتھ اور بھی قوی و مضبوط ہو گئی ہے۔

وضاحت:

- محدث ابو المآثر، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ) کہتے ہیں:

مصنف الفرقان لکھتے ہیں: ترک فاتحہ کلاً یا جزءً آپ نے کیوں اختیار فرمایا اور یہ رکعت بلا فاتحہ کے کیسے درست ہوئی، سو اس وقت اگر قراءت مقتدی منسوخ ہو چکی تھی، تو یہ ترک فاتحہ موجہ ہو سکتا ہے، ورنہ کسی طرح موجہ نہیں ہو سکتا ہے، مگر چونکہ قرأت اس وقت منسوخ ہو چکی تھی اور آپ کا شمول درمیان رکعت کا اس نماز میں اقتداءاً ہوا تھا اس لئے آپ نے ترک فاتحہ کلاً یا جزءاً اختیار فرمایا اور اسی وجہ سے یہ رکعت بلا فاتحہ کے درست ہوئی، اور اگر آپ کا شمول اماماً ہوا تھا اور آپ اول ہی سے امام بن کر شامل ہوئے تھے، تب بھی ترک فاتحہ کی یہی وجہ ہوگی، کیونکہ آپ کی یہ امامت خلافۃً عن الامام السابق تھی اور خلیفۃ الامام امام سابق کا مقتدی حکمی ہوتا ہے اور قراءۃ گذشتہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے، **انتھی ملخصاً**۔

اور پھر محدث اعظمیؒ نے ان کی تائید بھی کی ہے۔ **(حدر اللثام عن وجہ تحقیق الکلام)**

- ثقہ، عالم اور امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ (م ۱۴۳۰ھ) کہتے ہیں کہ

(اس روایت سے معلوم ہوا کہ) آنحضرت ﷺ سے پوری سورہ فاتحہ چھوٹ گئی تھی یا اس کا اکثر حصہ مگر باوجود اسکے، آپ ﷺ کی نماز ادا ہو گئی اور آپ ﷺ نے اس نماز کو صحیح اور درست سمجھا۔ **(احسن الکلام: ص ۳۰۵)**

شمارہ نمبر ۱۷

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

دسمبر / ۲۰۲۰



دو ماہی مجلّہ

الاجماع



* امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔ (قسط ۴)
* امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابتؒ (م ۱۵۰ھ) ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔
* نضر بن محمد القرشیؒ (م ۱۸۳ھ)، امام ابو عبد الرحمٰن المقریؒ (م ۲۱۳ھ) وغیرہ بلکہ ثقات تو ثقات، متکلم فیہ رواۃ نے بھی امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی حدیث میں توثیق کی ہے۔

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔(قسط ۴)

(رسول اللہ ﷺ کے کلام مبارک سے)

- مولانا نذیر الدین قاسمی

دلیل نمبر ۸ :

امام اہل السنۃ، امام ابو عبد اللہ، احمد بن محمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا أسود بن عامر، أخبرنا حسن بن صالح، عن أبي الزبير، عن جابر، عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: من كان له إمام، فقراءته له قراءة۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ **(مسند احمد: ج ۲۳: ص ۱۲)**

سند کے رواۃ کی تفصیل:

(۱) امام ابو عبد اللہ، احمد بن محمد بن حنبلؒ **(م ۲۴۱ھ)** مشہور ثقہ، حجت، حافظ الحدیث اور امام اہل السنۃ ہیں۔

(۲) اسود بن عامرؒ **(م ۲۰۸ھ)** بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۰۳)**

(۳) حسن بن صالحؒ **(م ۱۶۹ھ)** صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ، عابد، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۲۵۰)**

(۴) محمد بن مسلم، ابو زبیر المکیؒ **(م ۱۲۰ھ)** بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(الکاشف: رقم ۵۱۴۹)**

(۶) حضرت جابرؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس کے رواۃ ثقہ اور سند صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۹ :

ثقہ، ثبت، حافظ، محدث ابو نعیم فضل بن دکین (م ۲۱۹ھ) فرماتے ہیں کہ

(قال المزی: ورواہ أبو نعیم) عن الحسن بن صالح، عن أبي الزبیر، عن جابر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم، قال: کل من کان لہ إمام، فقراءتہ لہ قراءة۔ (تحفة الاشراف للمزی: ج ۲: ص ۲۹۱)

رواۃ کی تحقیق:

(۱) امام ابو نعیم فضل بن دکین (م ۲۱۹ھ) مشہور ثقہ، ثبت، امام اور حافظ الحدیث۔ **(تقریب:، سیر)**

(۲) حسن بن صالح (م ۱۶۹ھ)

(۳) محمد بن مسلم، ابو زبیر المکی (م ۱۲۰ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۴) حضرت جابر مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس کے بھی رواۃ ثقہ ہیں۔

دلیل نمبر ۱۰ :

امام ابو بکر ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا مالك بن إسماعیل، عن حسن بن صالح، عن أبي الزبیر، عن جابر، عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم، قال: کل من کان لہ إمام، فقراءتہ لہ قراءة۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث ۳۸۲۳، و الفظ لہ، مسند احمد بن حنبل: ج۲۳: ص ۱۲، تحفۃ الاشراف للمزی: ج۲: ص۲۹۱)**

روات کی تحقیق:

(۱) امام ابو بکر ابن ابی شیبہؒ **(م ۲۳۵ھ)** مشہور ثقہ، امام اور حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب)**

(۲) مالک بن اسماعیل الکوفیؒ **(م ۲۱۷ھ)** صحیحین کے راوی اور ثقہ، ثبت، حجت، متقن، حافظ الحدیث، **إمام من الأئمة** ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۴۲۴، تہذیب التہذیب، الکاشف)**

(۳) حسن بن صالحؒ **(م ۱۶۹ھ)** صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ، عابد، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۲۵۰)**

(۴) **محمد بن مسلم**، ابو زبیر المکیؒ **(م ۱۲۰ھ)** بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(الکاشف: رقم ۵۱۴۹)**[1]

(۶) حضرت جابرؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب)**

---

[1] **نوٹ :**

اگر چہ ان روایات میں ابو زبیر المکیؒ **(م ۱۲۰ھ)** کا "عنعنہ" موجود ہے۔ لیکن اس روایت میں ان پر تدلیس کا الزام باطل و مردود ہے۔ کیونکہ ان کے متابع میں ثقہ راوی عبد اللہ بن شدادؒ **(م ۸۱ھ)** موجود ہیں، جس کی تفصیل اگلے شمارے میں آئے گی۔

نیز ابو زبیر المکیؒ، حضرت جابرؓ سے روایت کرنے میں **"مکثر"** ہیں۔ اس لحاظ سے بھی "**ابو زبیر عن جابر**" کی سند پر اعتراض صحیح نہیں ہے۔ **(مجلہ الاجماع: ش۳: ص ۱۸۲، میزان الاعتدال: ج۲: ص ۲۲۴، ترجمہ الاعمش)**

مزید امام ابو نعیم الاصبہانیؒ **(م ۴۳۰ھ)** نے صراحت بھی کی ہے کہ یہ روایت اسی طرح ابی زبیر عن جابر کے اصل نسخہ میں موجود ہے۔ **(تفصیل کے لئے دیکھئے ص: ۷)**

لہذا اس روایت میں ان پر تدلیس کا الزام باطل و مردود ہے۔

معلوم ہوا کہ اس کے روات ثقہ اور سند صحیح ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ امام شمس الدین ابن قدامہؒ **(م ۶۸۲؁ھ)** اور حافظ، امام ابن ترکمانیؒ **(م ۷۵۰؁ھ)**، امام عینیؒ **(م ۸۵۵؁ھ)** وغیرہ نے کہا کہ یہ روایت صحیح اور متصل ہے۔ **(الشرح الکبیر لابن قدامہ: ج ۲: ص ۱۱، الجور النقی: ج ۲: ص ۱۵۹، نخب الافکار للعینی: ج ۴: ص ۱۰۴)**[2]

---

[2] **<u>اثری صاحب کے اعتراض کا جواب:</u>**

ثقہ، ثبت، حجت، متقن، امام حافظ الحدیث مالک بن اسماعیلؒ **(م ۲۱۷؁ھ)** کے علاوہ، صحیحین کے راوی اور، ثقہ، ثبت، امام، حافظ اسود بن عامر شاذانؒ **(م ۲۰۸؁ھ)**، اور ثقہ، ثبت، حافظ، محدث ابو نعیم فضل بن دکینؒ **(م ۲۱۹؁ھ)** وغیرہ دونوں نے بھی اس روایت کو "**حسن بن صالح عن ابی زبیر**" کی سند سے نقل کیا ہے۔ (ان سب کی تفصیل گزر چکی)

لہذا "**من کان لہ امام۔۔۔**" کی روایت حسن بن صالح نے حضرت ابو زبیر المکیؒ **(م ۱۲۰؁ھ)** سے بھی روایت کی، اور ان کے دوسرے شاگردوں مثلاً جابر الجعفی، لیث بن ابی سلیمؒ وغیرہ سے بھی روایت کی ہے۔

اور امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت کوفیؒ **(م ۱۵۰؁ھ)** نے بھی یہ روایت ابو زبیر المکیؒ **(م ۱۲۰؁ھ)** سے بیان کی ہے۔ (دیکھئے **ص: ۵**)

یہی وجہ ہے کہ خود اثری صاحب بھی کہتے ہیں کہ مالک بن اسماعیلؒ، ابو نعیمؒ، اسود بن عامرؒ وغیرہ کبھی حسن بن صالح اور ابو زبیر کے درمیان جابر الجعفی کا واسطہ ذکر کرتے ہے، اور کبھی نہیں کرتے، اور لیکن آگے کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ روایت مضطرب و معلول ہو گی۔ **(توضیح الکلام: ص ۹۱۱)**،

میں کہتا ہوں کہ اثری صاحب یہ کہنا کہ یہ روایت معلول اور مضطرب ہو گی، مردود ہے۔ کیونکہ جب دلائل سے، بلکہ خود اثری صاحب مانتے ہیں کہ ثقہ اور ثبت روات مالک بن اسماعیلؒ، ابو نعیمؒ، اسود بن عامرؒ وغیرہ کبھی حسن بن صالح اور ابو زبیر کے درمیان جابر الجعفی کا واسطہ ذکر نہیں کرتے اور کبھی کرتے ہیں۔

تو یہاں پر تطبیق کی صورت یہ ہو گی کہ حسن بن صالحؒ **(م ۱۶۹؁ھ)** نے یہ روایت حضرت ابو زبیر المکیؒ **(م ۱۲۰؁ھ)** سے بھی سنی اور ان کے دونوں شاگرد جابر الجعفی، لیث بن ابی سلیمؒ وغیرہ سے بھی، جیسا کہ حافظ ابن ترکمانیؒ **(م ۷۵۰؁ھ)**، محدث عینیؒ **(م ۸۵۵؁ھ)** نے کہا ہے۔ **(الجوھر النقی: ج ۲: ص ۱۶۰، نخب الافکار للعینی: ج ۴: ص ۱۰۵)**

لہذا جب تطبیق ممکن ہے، تو اضطراب کا دعوی باطل و مردود ہے۔

دلیل نمبر ۱۱:

ثقہ، ثبت، امام اور حافظ الحدیث ابو جعفر احمد بن محمد بن **سلامۃ** الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا أبو أمية، قال: ثنا إسحاق بن منصور السلولي، قال: ثنا الحسن بن صالح، عن جابر، وليث، عن أبي الزبير، عن جابر، رضي الله عنه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔

(شرح معانی الآثار: ج۱: ص۲۱۷)

رواۃ کی تحقیق:

(۱) امام ابو جعفر احمد بن محمد بن **سلامۃ** الطحاویؒ **(م ۳۲۱ھ)** مشہور ثقہ، ثبت، امام اور حافظ الحدیث ہیں۔

(کتاب الثقات للقاسم)

(۲) ابو امیۃ، محمد بن ابراہیم بن مسلمؒ **(م ۲۷۲ھ)** سنن کے نسائی کے راوی اور صدوق، حسن الحدیث ہیں۔

(تقریب: رقم ۵۷۰۰)

(۳) اسحاق بن منصور السلولیؒ **(م ۲۰۳ھ)** صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تحریر تقریب التھذیب: رقم ۳۸۵)**، اور ان کے متابع، صحیحین کے راوی یحیی بن ابی بکیرؒ **(م ۲۰۹ھ)** موجود ہیں۔ **(سنن الدار قطنی: ج۲: ص۱۲۲)**

(۴) حسن بن صالحؒ **(م ۱۶۹ھ)** کی توثیق گزر چکی۔

(۵) جابر الجعفیؒ **(م ۱۲۷ھ)** ضعیف ہیں۔ **(تقریب: ۸۷۸)**، لیکن انکے متابع لیث بن ابی سلیمؒ **(م ۱۴۸ھ)** موجود ہیں، جو کہ متابعت کی صورت میں صدوق ہیں، جس کا اقرار اثری صاحب بھی کر چکے ہیں۔ **(الاجماع: ش۳: ص۷۱)**

(۶)　محمد بن مسلم، ابوزبیر المکیؒ (م ۱۲۰؁ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۷)　حضرت جابرؓ صحابی رسول ﷺ ہیں۔

لہذا اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں۔ البتہ جابر الجعفیؒ (م ۱۳۲؁ھ) ضعیف ہے اور لیث بن ابی سلیمؒ (م ۱۴۸؁ھ) متابعات میں صدوق ہیں۔ واللہ اعلم۔

دلیل نمبر ۱۲:

امام ابو نعیم اصبہانیؒ (م ۴۳۰؁ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا محمد بن علي بن حبيش، ثنا علي بن جعفر بن محمد بن حبيب التمار، ثنا علي بن إشكاب، ثنا إسحاق الأزرق، عن أبي حنيفة، عن أبي الزبير، عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من كان له إمام، فقراءة الإمام له قراءة» كذا في أصل أبي الزبير، عن جابر۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔

(مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص ۳۲)

سند کے روات کی تحقیق:

(۱)　احمد بن عبد اللہ، ابو نعیم اصبہانیؒ (م ۴۳۰؁ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(الثقات للقاسم: ج ۱: ص ۳۶۵)**

(۲)　محمد بن علی بن حبیش، ابو الحسینؒ (م ۳۵۹؁ھ) بھی ثقہ، ثبت راوی ہیں۔ **(الدلیل المغنی: ص ۴۲۶)**

(۳)　علی بن جعفر بن محمد بن حبیب التمار سے مراد علی بن جعفر بن محمد، ابو الحسن الجرجانیؒ ہے۔ واللہ اعلم

ابن عدیؒ (م ۳۶۵؁ھ) کے نزدیک وہ ثقہ یا صدوق ہیں۔ **(تاریخ جرجان للسھمی: ص ۳۱۳، الکامل لابن عدی: ج ۱: ص ۷۹)**

(۴) علی بن اشکابؒ (م ۲۶۱؁ھ) بھی ثقہ راوی ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: ج ۶: ص ۳۹۶**)

(۵) اسحاق الازرقؒ (م ۱۹۵؁ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۶) امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (م ۱۵۰؁ھ) مشہور بے مثال ثقہ، حافظ الحدیث، فقیہ، ثبت اور حدیث کے شہنشاہ ہیں۔ (**دیکھئے ص: ۱۶**)

(۷) محمد بن مسلم، ابو زبیر المکیؒ (م ۱۲۰؁ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۸) حضرت جابرؓ صحابی رسول ﷺ ہیں۔

معلوم ہوا کہ اس کے تمام رواۃ صدوق یا ثقہ ہیں اور سند حسن ہے۔ واللہ اعلم[3]

دلیل نمبر ۱۳ :

ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام عبد الرزاق الصنعانیؒ (م ۲۱۱؁ھ) نے کہا:

"عن الثوري، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد بن الهاد الليثي قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم الظهر أو العصر، فجعل رجل يقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم، ورجل ينهاه، فلما صلى قال: يا رسول الله، كنت أقرأ وكان هذا ينهاني، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان له إمام فإن قراءة الإمام له قراءة"۔

عبد اللہ بن شدادؒ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، تو ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کے پیچھے قراءت کی، تو ایک اور صحابیؓ نے ان کو نماز میں (اشارے سے) روکا۔ جب آپ ﷺ نے نماز مکمل فرمائی، تو ان

---

[3] اس روایت کی سند کو امام دار قطنیؒ (م ۳۸۵؁ھ) نے وہم قرار دیا ہے، لیکن ان کا یہ کہنا غیر صحیح ہے۔ کیونکہ حافظ ابو نعیمؒ (م ۴۳۰؁ھ) نے بالجزم کہا کہ "**كذا في أصل أبي الزبير، عن جابر**"، جیسا کہ گزر چکا۔ لہذا کتاب کی روایت ہی زیادہ راجح ہے۔ واللہ اعلم

قراءت کرنے والے صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول ﷺ، میں نے آپ کے پیچھے قراءت کی اور یہ مجھے قراءت کرنے سے منع کر رہے تھے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ **(مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۲۷۹۷)**

سند کی تحقیق:

(۱) امام عبد الرزاق الصنعانیؒ **(م ۲۱۱ھ)** مشہور ثقہ، امام اور ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب، تہذیب التہذیب)**

(۲) امام سفیان ثوریؒ **(م ۱۶۱ھ)** بھی مشہور ثقہ، امام، حافظ الحدیث اور حجت، عابد، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۴۴۵)**

(۳) ابو الحسن، موسی بن ابی عائشہؒ صحیحین کے راوی اور ثقہ، عابد ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۹۸۰)**

(۴) ابو الولید، عبد اللہ بن شداد بن الہادؓ **(م ۸۳ھ)** بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۳۸۲)**

نوٹ:

عبد اللہ بن شدادؓ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ **(م ۸۵۲ھ)**، حافظ ابن عبد البرؒ **(م ۴۶۳ھ)**، حافظ ذہبیؒ **(م ۷۴۸ھ)**، حافظ ابن الاثیر الجزریؒ **(م ۶۳۰ھ)** وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہو چکے تھے۔ **(الاستیعاب لابن عبد البر: ج ۳: ص ۹۲۶، الاصابہ لابن حجر: ج ۵: ص ۱۱، سیر: ج ۳: ص ۴۸۸، اسد الغابہ: ج ۳: ص ۲۷۶، طبع بیروت)** اور صحابہؓ عام طور سے اپنے بچوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے جایا کرتے تھے۔ **(الاصابة لابن حجر: ج ۱: ص ۱۵۶)**، اس لئے ان کے صحابی ہونے کا احتمال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ **(م ۸۵۲ھ)** نے کہا: " **وهو من صغار الصحابة** " ابن شدادؓ **(م ۸۳ھ)** **صغار الصحابة** میں سے ہیں۔ **(فتح الباری: ج ۳: ص ۹)**، یہی بات، مجتہد محمد عز الدین الصنعانیؒ **(م ۱۱۸۲ھ)**، شیخ محمد خضر الشنقیطیؒ **(م ۱۳۵۴ھ)** نے بھی کہی ہے۔ **(التحبير للصنعانی: ج ۱: ص ۵۸۹، كوثَر المَعَاني الدَّرَارِي: ج ۱۱: ص ۱۸)**

مگر چونکہ بعض کے نزدیک ان کا سماع حضور ﷺ سے ثابت نہیں، شاید اس لئے بعض ائمہ نے ان کو تابعی قرار دیا ہے۔

لیکن دوسرے ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث، امام ابو بکر ابن ابی خیثمہؒ (م۲۷۹ھ) نے کہا کہ ابن شدادؒ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ **(التاریخ الکبیر: السفر الثانی: ج۱: ص۲۹۵)**

حافظ ابن عساکرؒ (م۵۷۱ھ) نے ان کے ترجمہ میں کہا: "**وله صحبة**" کہ انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت پائی ہے۔ **(تاریخ ابن عساکر: ج۲۹: ص۱۴۰)**

نوٹ :

ابن شدادؓ (م۸۳ھ) کا حضور ﷺ سے روایت لینے کا احتمال ہے۔ کیونکہ ان کی والدہ سلمی بنت عمیسؓ اپنے بہن اسماء بنت عمیسؓ کے ساتھ قدیم زمانے میں ہی اسلام لاچکی تھیں۔ **(الطبقات لابن سعد: ج۸: ص۲۲۳)**، عزوہ احد میں حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ (م۳ھ) کی شہادت کے بعد، انہوں نے حضرت شداد بن الہادؓ سے نکاح کیا، جن سے عبد اللہ اور عبد الرحمٰن پیدا ہوئے۔ **(انساب الاشراف للبلاذری: ج۱۱: ص۹۶، الطبقات لابن سعد غیرہ)**،

اور غزوہ احد شوال، **۳ھجری** میں واقع ہوتا تھا۔ **(تاریخ الاسلام للذہبی: ج۱: ص۱۰۳)**، اور حمزہؓ کی شہادت کے بعد، سلمی بنت عمیسؓ نے شداد بن الہادؓ سے نکاح کیا، جیسا کہ گزر چکا، اس لحاظ سے حضرت عبد اللہ بن شدادؓ (م۸۳ھ) کے پیدائش **۴** یا **۵ھجری** کے درمیان ہو سکتی ہے۔

ان باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت عبد اللہ بن شدادؓ (م۸۳ھ) کی عمر "**۵سال**" ہوئی ہوگی۔

یعنی وہ سن تمیز کی عمر کے ہو چکے تھے۔ اور سن تمیز کی عمر "۵" سال ہے۔ **(احسن الکلام: ج ۱: ص ۳۲۷)**،[4] اس وجہ سے ان کی روایت کا وہی حکم ہوگا، جو مراسیل صحابہ کا حکم ہے، یعنی عبد اللہ بن الزبیرؓ **(م ۷۳ھ)** وغیرہ کی طرح، عبد اللہ بن شدادؓ **(م ۸۳ھ)** کی مرسل روایت بھی حجت ہوگی۔ **(الاصابۃ: ج ۱: ص ۱۵۵)**[5]

نیز عبد اللہ بن شدادؓ نے عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیقؓ **(م ۱۲ھ)** سے بھی روایت نقل کی ہے۔[6] اور ان کی خلافت کے احوال بھی ذکر کئے ہیں۔[7]

---

[4] **اعتراض:**

اثری صاحب کہتے ہیں کہ اس کا انکار نہیں کہ بسا اوقات پانچ سال سے پہلے بھی بچہ سن تمیز کو پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن شداد بھی اس عمر میں تھے کہ جس میں بچہ سن تمیز کو پہنچ جاتا ہے؟ اس کا ثبوت درکار ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۸۶۹)**

الجواب:

اس کا ثبوت یہ ہے کہ عبد اللہ بن شدادؓ **(م ۸۳ھ)** کے والد، شدادؓ اور ان کی والدہ سلمی بنت عمیسؓ کا نکاح حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ **(م ۳ھ)** کی شہادت کے بعد ہوا، اس لحاظ سے حضور ﷺ کی وفات کے وقت، عبد اللہ بن شدادؓ **(م ۸۳ھ)** کا سن تمیز میں ہونا، کوئی بعید بات نہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، نیز عبد اللہ بن شدادؓ **(م ۸۳ھ)** نے ابو بکر صدیقؓ **(م ۱۲ھ)** سے بھی روایت لی اور ان کی خلافت کے احوال بھی بیان کئے ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس لحاظ سے بھی ان کا نبی ﷺ کے زمانے میں سن تمیز میں ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

[5] مراسیل صحابہ کیوں حجت ہیں، اس کی وجہ ائمہ محدثین نے یہ بیان کی ہے کہ صحابیؓ غالب احتمال میں صحابیؓ سے ہی روایت لیتے ہیں، اور تمام کے تمام صحابہ عادل ہیں، اس لحاظ سے ان کی مراسیل صحت کے منافی نہیں۔ **(فتح المغیث، وغیرہ)**، بالکل اسی طرح ہمارے علم کے مطابق، حدیث کی کتابوں میں عبد اللہ بن شدادؓ **(م ۸۳ھ)** کی تمام روایات میں ان کے شیوخ صحابہؓ ہی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین نے ان کے شیوخ میں کوئی ایک بھی تابعی ذکر نہیں کیا۔ دیکھئے تہذیب الکمال، تاریخ بغداد، تاریخ ابن عساکر، سیر، تاریخ الاسلام وغیرہ۔ لہذا یہ قرینہ بھی دلالت کرتا ہے کہ ان کی روایت کا مراسیل صحابہ کے زمرے میں ہونا ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

[6] حافظ جعفر بن محمد الفریابیؒ **(م ۳۰۱ھ)** کہتے ہیں کہ

یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے وفات کے وقت سن تمیز کی عمر کے تھے، کیونکہ حضور ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ہی حضرت صدیق اکبرؓ (م ۱۳ھ) خلیفۃ المسلمین بنے تھے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ دلائل، تحقیق اور تاریخ کی روشنی میں راجح یہی ہے کہ عبد اللہ بن شدادؓ (م ۸۳ھ) **صغار الصحابة** میں سے ہیں اور سن تمیز میں ہونے کی وجہ سے ان کی روایت کا حکم، مراسل صحابہ کا حکم ہے، یعنی ان کی مرسل روایت بھی حجت ہے۔[8]

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا سفيان بن عيينة، عن عمرو بن دينار، عمن أخبره، عن عبد الله بن شداد، قال: قال أبو بكر الصديق رضي الله عنه: إن الله عز وجل خلق الخلق، فجعلهم نصفين، فقال لهؤلاء: ادخلوا الجنة هنيئا، وقال لهؤلاء: ادخلوا النار ولا أبالي

اس روایت میں "**عمن أخبره**" سے غالباً مراد محمد بن کعب القرظیؒ (م ۱۲۰ھ) ہیں، کیونکہ وہ عبد اللہ بن شدادؓ (م ۸۳ھ) کے شاگرد ہیں اور عمر بن دینار المکیؒ (م ۱۲۶ھ) کے استاذ ہیں۔ (**تہذیب الکمال: ج ۲۶: ص ۳۴۱-۳۴۲**)، لہذا یہ سند صحیح ہے، اور یاد رہے کہ کسی امام سے منقول نہیں کہ عبد اللہ بن شدادؓ نے کسی صحابیؓ یا تابعی سے کوئی روایت ارسال کی ہو۔ فیما اعلم۔ اور امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے کہا کہ ان کا سماع اسماء بنت عمیسؓ سے ثابت نہیں ہے۔ لیکن ان کا رد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ)، شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) وغیرہ کر چکے ہیں۔ (**فتح الباری: ج ۹: ص ۴۸۷، سلسلة الصحيحة: ج ۷: ص ۶۸۴، حدیث نمبر ۳۲۲۶**)، نیز مزیؒ (م ۷۴۲ھ)، ابن عساکرؒ (م ۵۷۱ھ) وغیرہ نے صراحت بھی کی ہے کہ انہوں نے ان سے روایت لی ہے۔ (**تہذیب الکمال، تاریخ دمشق**)، لہذا امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کا قول غیر صحیح ہے۔

شیخ الالبانیؒ نے یہ بھی کہا: "**لم يُرم بتدليس**" ان پر تدلیس کی تہمت نہیں ہے۔ (**ایضاً**)،

لہذا ان کی ابو بکر صدیقؓ سے مروی یہ روایت بھی متصل ہے۔ واللہ اعلم

[7] (**مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۱۶۲۳۷**)

[8] واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ کے نزدیک عبد اللہ بن شدادؓ (م ۸۳ھ) صحابی ہونے کے باوجود، سن تمیز میں نہ ہونے کی وجہ سے ان کی روایت کا حکم، مراسیل صحابہ کا حکم نہیں ہے۔ لیکن تحقیق و تاریخ کی روشنی میں حضور ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سن تمیز میں نے کا قوی احتمال ہے، نیز انہوں نے ابو بکر صدیقؓ اور ان کے خلافت وغیرہ کے احوال بھی بیان کئے ہیں، جیسا کہ تفصیل

معلوم ہوا کہ اس کے رواۃ ثقہ اور سند صحیح ہے۔ البتہ یہ روایت اس سند کے ساتھ، ابو الولید، عبد اللہ بن شداد بن الہادؓ صحابی کی مرسل ہے۔ اور صحابی کی مراسیل حجت ہوتی ہیں۔[9]

گزر چکی، لہذا یہ بھی اس بات دلیل ہے کہ وہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت تمیز کی عمر کے تھے۔ الغرض ان کی روایت کا حکم، مراسیل صحابہ کا ہو گا۔ واللہ اعلم

[9] **تنبیہ:**

بقول بعض ائمہ اگر عبد اللہ بن شدادؒ **(م ۸۳ھ)** کو تابعی تسلیم کر لیا جائے، تو بھی ان کے تائید میں "عن ابی الزبیر عن جابر" کی روایت موجود ہے۔ لہذا یہ روایت مرسل معتضد ہونے کی وجہ سے حجت ہو گی۔

اعتراض:

لیکن اثری صاحب کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ ہی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ کبار تابعین کی مراسیل ان کے نزدیک مطلقاً حجت نہیں، بلکہ اس کے لئے بھی اعتضاد کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ وہ کسی مرفوع صحیح روایت کے مخالف نہ ہو۔

(توضیح الکلام: ص ۸۶۹)

الجواب:

یہاں مرسل، صحیح حدیث کے خلاف نہ ہو، سے امام بیہقیؒ **(م ۴۵۸ھ)** کی مراد یہ ہے کہ ثقہ مرسِل اپنی روایت میں اوثق راوی کی روایت کے الفاظ کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ جس کی تفصیل **مجلہ الاجماع: ش ۱۲: ص ۱۸** پر موجود ہے۔

لہذا اثری صاحب کا اعتراض مردود ہے۔

نوٹ:

اثری صاحب نے اپنے تائید میں امام بیہقیؒ کا ایک اور حوالہ ذکر کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے ایک حدیث کے بارے میں کہا کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مگر حمیدؒ نے صحابی کا نام نہیں لیا۔ تو وہ معنیً مرسل کے ہے۔ اگر صحیح موصول روایات اس کے خلاف نہ ہوتیں، تو یہ مرسل جید ہوتی۔

اگے اثری صاحب کہتے ہیں کہ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تابعی کبیر کی مرسل کی مقبولیت میں ان کے نزدیک اعتضاد اور متصل کی عدم مخالفت شرط ہے۔(**توضیح اکلام:ص ۸۷۰**)

الجواب:

السنن الکبری للبیہقی کی مکمل عبارت پیش خدمت ہیں:

قال البیهقی أخبرنا أبو الحسن بن عبدان، أنا أحمد بن عبيد، أنا زياد بن الخليل، ثنا مسدد، ثنا أبو عوانة، عن داود بن عبد الله الأودي، عن حميد بن عبد الرحمن الحميري، قال: لقيت رجلا صحب النبي صلى الله عليه وسلم كما صحبه أبا هريرة أربع سنين، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمتشط أحدنا كل يوم، أو يبول في مغتسله، أو تغتسل المرأة بفضل الرجل، أو يغتسل الرجل بفضل المرأة، وليغترفا جميعا "أخبرنا أبو علي الروذباري، أنا أبو بكر بن داسة، ثنا أبو داود، ثنا أحمد بن يونس، ثنا زهير، عن داود بن عبد الله فذكره بنحوه إلا أنه لم يقل: وليغترفا جميعا. وهذا الحديث رواته ثقات إلا أن حميدا لم يسم الصحابي الذي حدثه فهو بمعنى المرسل إلا أنه مرسل جيد لولا مخالفته الأحاديث الثابتة الموصولة قبله، وداود بن عبد الله الأودي لم يحتج به الشيخان البخاري، ومسلم رحمهما الله تعالى۔(السنن الکبری للبیهقی: ج ۱ :ص ۲۹۴)

قال البیهقی فی معرفة السنن والآثار وأما حديث داود بن عبد الله الأودي، عن حميد بن عبد الرحمن الحميري، عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم في النهي عن اغتسال المرأة بفضل الرجل واغتسال الرجل بفضل المرأة، فإنه منقطع وداود بن عبد الله ينفرد به، ولم يحتج به صاحبا الصحيح، والأحاديث التي ذكرناها في الرخصة أصح. فالمصير إليها أولى. وبالله التوفيق۔(معرفة السنن والآثار: ج ۱ :ص ۴۹۷-۴۹۸)

روایت پر غور فرمایئے! امام بیہقیؒ(م ۴۵۸ھ) نے جس روایت کو مرسل و منقطع کہا ہے۔اس میں تابعی حمید بن عبد الرحمٰن **الحمیری** نے صراحت کی ہے کہ "**لقيت رجلا صحب النبي صلى الله عليه وسلم كما صحبه أبا هريرة أربع سنين**"۔

اور معرفۃ السنن والآثار میں الفاظ ہیں کہ "**حميد بن عبد الرحمن الحميري، عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم**"۔

کیا یہ الفاظ اثری صاحب کے نزدیک اس روایت کے منقطع و مرسل ہونے پر دلالت کرتے ہیں ؟؟

نیز بحث کیا "مرسل معتضد" پر ہو رہی ہے یا "**اذا قال التابعی حدثنی رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، اكان ذالک الحديث متصلا او منقطعا**" پر ہو رہی ہے ؟؟؟

اس تفصیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے اس روایت کو منقطع قرار دیکر رد کیا ہے۔ لہذا مذکورہ بحث یعنی مرسل معتضد کے مسئلہ پر امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کا یہ کلام صریح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

نیز اگر اثری صاحب کا اصرار ہے کہ امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کے نزدیک یہ شرط ہے کہ مرسل معتضد اس صورت میں حجت نہیں، جب کہ صحیح متصل روایت موجود ہے۔ تو جواب میں عرض ہے کہ یہ امام صاحبؒ (م ۴۵۸ھ) کا تفرد ہے۔

جس طرح ان کا تابعی کے قول "**حدثنی رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم**" کی روایت کو منقطع کہنا تفرد ہے۔ کیونکہ امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) کا قول گزر چکا کہ وہ صحیح متصل روایت کے مقابلے میں بھی مرسل معتضد کو حجت مانتے ہیں۔ (**دیکھئے مجلہ الاجماع: شمارہ ۱۲**)

- حافظ ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) کہتے ہیں کہ " **يتبين بذلك صحة المرسل أي وأنهما صحيحان لو عارضهما صحيح من طريق رجحناهما عليه إذا تعذر الجمع وفي هذا رد على من زعم أن الاعتماد حينئذ يقع على المسند دون المرسل** "۔ (**المقنع لابن الملقن: ص ۱۳۵**)

- حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) کہتے ہیں کہ "**وما قيل إذا جاء من وجه آخر مسند مقبول، من أن العمل حينئذ يكون بالمسند لا بالمرسل فلا فائدة فيه، فليس بجيد، إذ بالمسند يتبين صحة المرسل، ويكون فى الحكم حديثان صحيحان، بحيث لو عارضهما حديث من طريق واحدة رجحا عليه، وعمل بهما** "۔ (**الغاية في شرح الهداية في علم الرواية: ص ۱۶۶**)

- نیز حافظ ابو عبد اللہ الزرکشیؒ (م ۷۹۴ھ)، امام ابو عبد اللہ، محمد بن ابراھیم بن سعد اللہ الکنانی الحمویؒ (م ۷۳۳ھ)، حافظ ابن الوزیر الیمنیؒ (م ۸۴۰ھ)، محدث ابوالحفص البلقینیؒ (م ۸۰۵ھ) وغیرہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (**النکت للزرکشی: ج ۱: ص ۴۸۹، المنهل الروى للحموى: ص ۴۳، تنقيح الأنظار مع توضيح الافكار: ج ۱: ص ۲۶۳-۲۶۴، محاسن الاصطلاح: ص ۲۱۰**)

ایک وضاحت:

یہ روایت اپنے متن کے ساتھ سری نمازوں میں بھی امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔یعنی اب مقتدی کو الگ سے قراءت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ:

چونکہ عبد اللہ بن شدادؓ (**م۸۳؁ھ**) متابع موجود ہیں۔لہذا حضرت ابوزبیر المکیؒ (**م۱۲۶؁ھ**) پر تدلیس کا الزام بھی مردود ہے۔[10]

نیز امام شافعیؒ (**م۲۰۴؁ھ**) نے ایک صحیح متصل روایت کے مقابلے مرسل معتضد کو حجت مانا ہے۔چنانچہ ایک صحیح، متصل روایت میں ہے کہ "**نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة**" نبی ﷺ نے ایک حیوان کو دوسری حیوان کے بدلے میں ادھار بیع کرنے سے منع کیا ہے۔(**مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۱۴۱۳۳، سنن نسائی: حدیث نمبر ۴۶۲۰**)،

لیکن امام شافعیؒ (**م۲۰۴؁ھ**) نے سعید ابن مسیبؒ کی مرسل روایت "**نهي عن بيع اللحم بالحيوان**" سے استدلال کرکے، گوشت کو جانور کے بدلے میں مطلقاً بیع کرنے سے (یعنی نقد بیع کرنے سے بھی) منع کردیا ہے۔(**مرقاۃ: ج۵: ص۱۹۲۳**)،

اور امام بیہقیؒ (**م۴۵۸؁ھ**) نے بھی امام شافعیؒ (**م۲۰۴؁ھ**) کی تائید کی ہے۔تفصیل کے لئے دیکھئے **مجلہ الاجماع: ش۱۲: ص۷۔**

لہذا یہ کہنا کہ مرسل معتضد اس وقت حجت ہوگی، جب کہ وہ کسی صحیح حدیث کے خلاف نہ ہو، غیر صحیح اور باطل و مردود ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابن شدادؓ (**م۸۳؁ھ**) کو بقول ائمہ کے، تابعین بھی مان لیں، تو بھی ان کی روایت مرسل معتضد ہونے کی وجہ سے حجت ہوگی۔واللہ اعلم

[10] **اعتراض:**

اثری صاحب کہتے ہیں کہ رہی یہ بات کہ عبد اللہؓ بن شداد وغیرہ نے ابوالزبیرؒ کی متابعت کی ہے، تو صحیح بات یہ ہے کہ عبد اللہؓ بن شداد سے یہ روایت مرسل ہے، متصل نہیں۔جیسا کہ تقریباً ۲ درجن محدثین کی تصریحات گزر چکی ہیں۔لہذا عبد اللہؓ کو ابوالزبیرؒ کا متابع قرار دینا صحیح نہیں کیوں کہ عبد اللہؓ عن جابرؓ کے واسطہ سے تمام احادیث ضعیف ہیں۔(**توضیح الکلام: ص۸۹۴**)

شمارہ نمبر ۱۸

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

فروری / ۲۰۲۱



دوماہی مجلّہ

الاجماع



- امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔ (قسط ۵)
- حافظ ابوزبیر المکیؒ (م ۱۲۸ھ) کی تدلیس کا مسئلہ،
- قاضی، حافظ عمر بن الحسن الاشنانیؒ (م ۳۳۹ھ) صدوق ہیں،
- اصحاب الحدیث کا اصحاب الرائ پر تشدد، ایک حقیقت ہے،
- امام ابونعیم فضل بن دکینؒ (م ۲۱۹ھ) کے نزدیک، امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) ثقہ ہیں۔

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت ۔(قسط ۵)

(رسول اللہ ﷺ کے کلام مبارک سے)

- مولانا نذیر الدین قاسمی

دلیل نمبر ۱۴:

چنانچہ ثقہ،ثبت،حافظ،امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ

أبنا إسحاق الأزرق، ثنا سفيان وشريك، عن موسى ابن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد، عن جابر قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو،تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔(مسند احمد بن منیع بحوالہ **اتحاف الخيرة المهرة للبوصيري: ج ۲: ص ۸۰، ج ۲: ص ۱۶۸**)

روات کی تحقیق:

(۱) امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) مشہور ثقہ،ثبت،حافظ الحدیث ہیں۔(تقریب: **رقم ۱۱۴، تحفة اللبيب بمن تكلم فيهم الحافظ ابن حجر من الرواة في غير التقريب: ج ۱: ص ۲۶۹**)

(۲) اسحاق بن یوسف الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، حجت، حافظ الحدیث اور ثبت، مامون، امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۹۶، سیر، تاریخ الاسلام**)

(۳) امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) بھی مشہور ثقہ، امام، حافظ الحدیث اور حجت ہیں۔(**تقریب: رقم ۲۴۴۵**)، ان کے متابع میں شریک بن عبد اللہ النخعیؒ (م ۱۷۷ھ) بھی عند المتابعات صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔(**تحریر تقریب التہذیب: رقم ۲۷۸۷**)

(۴) موسی بن ابی عایشہؒ اور

(۵) ابو الولید، عبد اللہ بن شداد بن الہادؓ کی تفصیل گزر چکی۔

(۶) عبد اللہ بن جابرؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔(**تقریب**)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں۔

ائمہ محدثین کی تصحیح:

اور حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے اس روایت کو اپنی کتاب میں ۲، ۲ جگہ نقل کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے

اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری: ج ۲: ص ۸۰، ج ۲: ص ۱۶۸۔

نیز امام ابن الہمامؒ (م ۸۶۱ھ)، حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م ۸۷۹ھ)، شیخ، فاضل، محدث محمد ہاشم سندھیؒ (م ۱۱۷۴ھ)، مشہور مفسر، محدث، محمود بن عبداللہ الآلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ)، محدث محمد بن علی النیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ)، محدث الہند، امام انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ) وغیرہ نے بھی اس کو اپنی اپنی کتابوں میں صحیح قرار دیا ہے۔ (**فتح القدیر: ج ۱: ص ۳۳۸، تخریج احادیث الاختیار: ج ۱: ص ۱۶۸، طبع الفاروق، مصر، تنقیح الکلام: ص ۱۳۲، رسالۃ الدکتوراۃ، تفسیر آلوسی: ج ۵: ص ۱۴۱، آثار السنن مع تعلیق الحسن: ص ۹۴، العرف الشذی: ج ۱: ص ۳۱۲**)[۱]

محترم اثری صاحب کی کرم فرمائیاں:

اثری صاحب کہتے ہیں کہ خلاصہ کلام ہے کہ ''مسند احمد بن منیع'' کے نسخہ میں اس روایت کا ہونا محل نظر ہے۔ اگر ہوتی تو حافظ ابن حجرؒ اس کا ذکر کرتے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے اسے ''اتحاف المہرۃ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ مگر علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی یہ روایت نہیں اور مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کے انداز سے عیاں ہوتا ہے کہ ''اتحاف المہرۃ'' میں یہ روایت نہیں۔ (**توضیح الکلام: ص ۸۵۱**)

اور ایک اور جگہ موصوف محدث کشمیریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ

فتح القدیر کے حاشیہ البدر المنیر لابی الحسن السندھی میں ہے کہ علامہ قاسم بن قطلو بغا نے شیخ ابن ہمامؒ کو لکھا کہ اس حدیث کا ماخذ کیا ہے، تو انھوں نے جواباً تحریر فرمایا: کہ میں نے یہ روایت علامہ بوصیریؒ کی ''اتحاف المہرۃ'' سے لی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ بوصیریؒ نے فرمایا کہ میں نے جب حافظ ابن حجرؒ کے سامنے اس سند کو پڑھا۔ ابھی میں متن تک نہیں پہنچا تھا کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ تو حدیث من کان لہ امام کی طرف لوٹتی ہے، تو میں حافظ کی ذکاوت پر متعجب ہوا۔

علامہ کشمیریؒ یہ مذاکرہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

میں نے جب یہ حکایت اپنی شیخ (شیخ الہندؒ) سے عرض کی، تو انھوں نے فرمایا کہ حافظ اس حدیث پر راضی نہیں۔ میں نے کہا اگر چہ اس سے راضی نہیں، مگر انھوں نے اس کی علت بیان نہیں کی۔

یہ پوری حکایت اس بات کا ثبوت ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اس سند سے متفق نہیں۔ اگر علامہ بوصیریؒ اس کی علت کا مطالبہ کرتے، تو یقیناً، اس کی وضاحت بھی وہ فرما دیتے۔ لیکن علامہ بوصیریؒ نے حافظ کی ذکاوت کا اعتراف کر کے گویا اس کی تائید کر دی ہے۔ اور یہی کچھ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے سمجھا۔ (**توضیح الکلام: ص ۸۵۲**)،

الجواب:

اثری صاحب کے اعتراضات درج ذیل ہیں:

(۱) اتحاف المہر ۃ کے نسخوں میں یہ روایت نہیں ہے، جو علامہ کشمیریؒ اور حبیب الرحمٰن کے زیر نظر ہیں ۔(**توضیح الکلام:ص ۸۵۱**)، بلکہ کہتے ہیں کہ عین ممکن ہے کہ علامہ بوصیریؒ نے اسے "**اتحاف المھرۃ**"میں ذکر کیا ہو،مگر جب حافظ سے ان کا مذاکرہ ہوا،تو حقیقت حال سے آ گاہی کے بعد خود ہی اس روایت کو"اتحاف" سے قلم زد کر دیا ہو، غالباً یہی وجہ ہے کہ "**اتحاف المھرۃ**" کے نسخے مختلف ہیں ۔بعض میں یہ روایت ہے اور بعض میں نہیں ہے ۔(**توضیح الکلام:ص ۸۵۱-۸۵۲**)

(۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو المطالب العالیۃ میں ذکر نہیں کیا ؟؟؟

(۳) فتح القدیر کے حاشیہ البدر المنیر لابی الحسن السندھی کی حکایت کی حیثیت؟؟؟

ترتیب وار ان شقوں کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

پہلی شق کا جواب:

ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ "**اتحاف المھرۃ** کے نسخوں میں یہ روایت نہیں ہے، جو علامہ کشمیریؒ اور حبیب الرحمٰن کے زیر نظر ہیں ۔۔۔۔۔عین ممکن ہے کہ علامہ بوصیریؒ نے اسے "**اتحاف المھرۃ**"میں ذکر کیا ہو،مگر جب حافظ سے ان کا مذاکرہ ہو،تو حقیقت حال سے آ گاہ ہو کے بعد خود ہی اس روایت کو"اتحاف" سے قلم زد کر دیا ہو، غالباً یہی وجہ ہے کہ "**اتحاف المھرۃ**" کے نسخے مختلف ہیں ۔بعض میں یہ روایت ہے اور بعض میں نہیں ہے" غیر صحیح ، بلکہ مردود ہے ۔کیونکہ

اولاً آج جتنے نسخے "**اتحاف الخیرۃ المھرۃ**" کے موجود ہے ۔سب میں یہ روایت موجود ہے ۔چنانچہ **دار المشکاۃ للبحث العلمی**،مکتبہ دار الوطن ،الریاض ، سے جو اتحاف کا نسخہ شائع ہوا، اس میں یہ روایت **کتاب الامامۃ،باب: باب ترك القراءة خلف الإمام** کے تحت موجود ہے ۔دیکھئے **ج ۲:ص ۸۰**۔

كتاب

إتحاف الخيرة المهرة

بزوائد المسانيد العشرة

للإمام الحافظ شهاب الدين

أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري

تقديم فضيلة الشيخ الدكتور

أحمد معبد

عضو هيئة التدريس بجامعة
الإمام محمد بن سعود الإسلامية سابقاً

تحقيق

دار المشكاة للبحث العلمي

بإشراف

أبو تميم ياسر بن إبراهيم

المجلد الثاني

دار الوطن للنشر

بالقرآن، فلما فرغ قال: هل قرأ أحد ... » فذكره دون قول معمر .

[١/١٠٧٥] وقال أحمد بن منيع: أبنا إسحاق الأزرق، ثنا سفيان وشريك، عن موسى ابن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد، عن جابر **قال:** قال رسول الله ﷺ: «من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة» .

[٢/١٠٧٥] قال : وثنا جرير، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد، عن النبي ﷺ: «من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة» ولم يذكر. عن جابر.

[٣/١٠٧٥] رواه عبد بن حميد[١]: ثنا أبونعيم، ثنا الحسن بن صالح [عن جابر][٢] عن أبي الزبير، عن جابر، عن النبي ﷺ ... فذكره.

قلت: حديث جابر بن عبد الله هذا إسناده صحيح ، رجاله كلهم ثقات.

رواه ابن ماجه في سننه[٣] بسند ضعيف من طريق جابر الجعفي، عن أبي الزبير، عن جابر ... فذكره .

وهذا الحديث معروف برواية الحسن بن عمارة الكوفي، وقد تكلموا فيه كثيرًا كذبه شعبة، ونقل الساجي إجماع أهل الحديث على ترك حديثه، وفيه كلام كثير جدًا، فرواه الحسن بن عمارة ، عن موسى بن أبي عائشة به موصولا ، وسيأتي أبسط من هذا [في كتاب][٤] افتتاح الصلاة في باب [قراءة الفاتحة][٤] خلف الإمام .

وزعم ابن عدي[٥] أن الحسن بن عمارة تفرد بوصله، قال: وقد رواه عن موسى غيره مثل: شعبة، [١/ق١٦٦-ب] والثوري، وزائدة، وزهير بن معاوية، و[أبو][٦] عوانة، وابن عيينة، و[أبو][٦] الأحوص، وجرير بن عبدالحميد، وابن أبي ليلى، وقيس بن

---

(١) المنتخب(٣٢٠ رقم١٠٥٠) .

(٢) من المنتخب ، وهو جابر بن يزيد الجعفي شيخ الحسن بن صالح بن حي ، ويروي عن أبي الزبير محمد بن مسلم بن تدرس ، كما في تراجمهم من تهذيب الكمال . ولم يتنبه المصنف -رحمه الله- أنه قد سقط منه جابر عند نقله لهذا الحديث؛ فصححه وجعله على شرط مسلم كما سيأتي برقم(١٢٧٦)، وأعلّ رواية ابن ماجه بجابر الجعفي ، لكن قال الحافظ المزي في التحفة (٢ /٢٩١): ورواه أبو نعيم، عن الحسن بن صالح، عن أبي الزبير، عن جابر ولم يذكر جابر الجعفي.

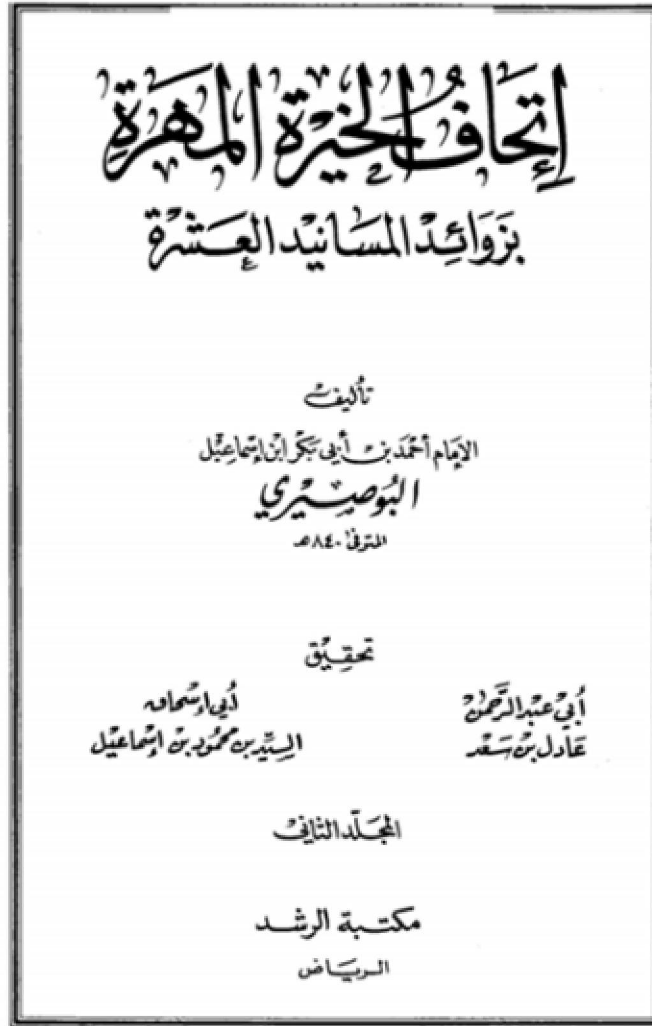
(٣) (٢٧٧/١ رقم٨٥٠) .

(٤) عسف التجليد به بالأصل ، وقد استعنا بالمختصر في ضبطه .

(٥) الكامل(٢ / ٢٩٢) .

(٦) في «الأصل»: أبي. خطأ .

اسی طرح شیخ ابوعبدالرحمٰن عادل بن سعد اور شیخ ابواسحاق سید بن محمود بن اسماعیل کی تحقیق کے ساتھ، **مکتبۃ الرشد، الریاض**، سے طبع شدہ نسخہ میں بھی یہ روایت **کتاب الامامۃ، باب "باب ترك القراءة خلف الإمام"** کے تحت موجود ہے۔ دیکھئے **ج ۲: ص ۲۲۵**۔



إتحاف الخيرة المهرة
بزوائد المسانيد العشرة

تأليف
الإمام أحمد بن أبي بكر ابن إسماعيل
البوصيري
المتوفى ٨٤٠هـ

تحقيق

أبي عبد الرحمن
عادل بن سعد

أبي إسحاق
السيد بن محمود بن إسماعيل

المجلد الثاني

مكتبة الرشد
الرياض

۲

٨ ـ باب

ترك القراءة خلف الإمام

١٥٦٤ ـ قال مسدد : ثنا إسماعيل : ثنا عبد الرحمن بن إسحاق ، ن يزيد بن عبد الله ، عن عطاء بن يسار ، قال زيد بن ثابت : لا أقرأ مع لإمام .

هذا إسناد موقوف .

١٥٦٥ ـ قال مسدد : ثنا سفيان : ثنا الزهري : سمعت ابن أكيمة حدث عن سعيد بن المسيب : سمعت أبا هريرة يقول : صلى بنا النبي ﷺ سلاة أظن أنها الصبح ، فقال : « **هل قرأ خلفي منكم أحد ؟** » فقال رجل : نا ، فقال : « **إني أقول مالي أنازع القرءان ؟!** » قال معمر : فانتهت الناس عن قراءة فيما جهر رسول الله ﷺ[1] .

١٥٦٦ ـ قال : وثنا إسماعيل : أنبا عبد الرحمن بن إسحاق ، عن زهري ، عن ابن أكيمة الجندعي ، عن أبي هريرة قال : صلى رسول الله ﷺ صلاة مما يجهر فيها بالقرءان فلما فرغ ، قال : « **هل قرأ أحد** » فذكره ون قول معمر .

١٥٦٧ ـ وقال أحمد بن منيع : ثنا إسحاق الأزرق : ثنا سفيان شريك ، عن موسى بن أبي عائشة ، عن عبد الله بن شداد ، عن جابر ال : قال رسول الله ﷺ : « **من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة** » .

(١) « مجمع الزوائد » (١٠٩/٢) وعزاه لأحمد والطبراني .

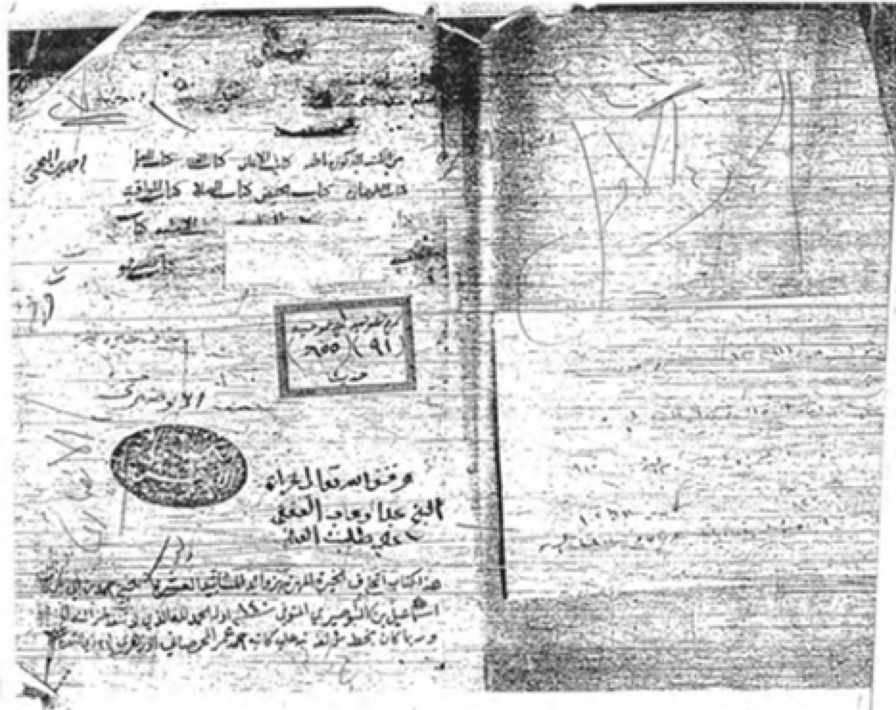
ایک قابل غور بات:

اس مسند احمد بن منیع کی روایت کے تحت میں ان دونوں نسخوں کے محققین نے مخطوطات کا کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا ہے۔لہذا ان دونوں نسخوں کی تحقیق میں جن جن مخطوطات کا ذکر، ان کے محققین نے کیا ہے۔(**نسخہ دار الوطن: ج۱: ص ۲۲، نسخہ مکتبۃ الرشد: ج۱: ص۱۱**)، ان تمام میں یہ روایت موجود تھی۔

لہذا اثری صاحب کا یہ کہنا کہ ''بعض میں یہ روایت ہے اور بعض میں نہیں ہے''، غیر صحیح، بلکہ مردود ہے۔

اتحاف الخیرۃ المہرۃ کا ایک مخطوطہ:

اتحاف الخیرۃ المہرۃ کا ایک مخطوطہ جو کہ جامع الازہر میں محفوظ ہے، اس مخطوطے میں بھی یہ روایت موجود ہے۔اس مخطوطے کی تفصیل کے لئے دیکھئے **اتحاف الخیرۃ المہرۃ نسخہ دار الوطن: ج۱: ص ۲۲، نسخہ مکتبۃ الرشد: ج۱: ص۱۱۔**



وقال أبو يعلى الموصلي ثنا محمد بن [illegible] ثنا عبيد الله بن عمرو الرقي عن أيوب عن أبي قلابة عن

أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى بأصحابه فلما قضى صلاته أقبل عليهم بوجهه فقال

أتقرؤون في صلاتكم خلف الإمام والإمام يقرأ فسكتوا فقالها ثلاث مرات فقال قائل أو

قائلون إنا لنفعل قال فلا تفعلوا وليقرأ أحدكم بفاتحة الكتاب في نفسه ○

قال وثنا إسحاق بن موسى أبو موسى الهروي ثنا المعتمر بن سليمان ثنا يونس عن أبي

إسحاق عن أبيه عن أبي الأحوص عن عبد الله قال كان الناس يجهرون بالقراءة خلف رسول الله

صلى الله عليه وسلم فقال [illegible] رسول الله صلى الله عليه وسلم خلطتم علي القرآن ○

قال وثنا محمد بن عبد الله بن نمير ثنا محمد بن عبد الله بن الزبير عن يونس بن أبي إسحاق عن أبي

إسحاق عن أبي الأحوص عن عبد الله قال كانوا يقرؤون خلف النبي صلى الله عليه وسلم في الصلاة فقال خلطتم فذكره ○

باب ترك القراءة خلف الإمام ٨

قال مسدد ثنا يحيى ثنا عبد الرحمن بن إسحاق عن موسى بن عبد الله عن عطاء بن يسار

قال زيد بن ثابت لا قراءة مع الإمام ○ هذا إسناد موقوف قال مسدد ثنا معتمر

وقال أحمد بن منيع ثنا إسحاق الأزرق ثنا سفيان وشريك عن موسى بن أبي عائشة عن

عبد الله بن شداد عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له إمام فقراءة الإمام

له قراءة ○ قال وثنا جرير عن موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد [illegible] عن النبي

صلى الله عليه وسلم من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة ولم يذكر جابر ○ رواه عبد بن حميد

ثنا أبو نعيم ثنا الحسن بن صالح عن أبي الزبير عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم فذكره ○

قلت حديث جابر بن عبد الله هذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات وله طرق معروف

برواية الحسن بن عمارة الكوفي وقد تكلموا فيه كثيرا كذبه شعبة ونقل الساجي إجماع أهل الحديث

على ترك حديثه وفيه كلام كثير جدا ورواه الحسن بن عمارة عن موسى بن أبي عائشة به موصولا

وزعم ابن عدي أن الحسن بن عمارة تفرد بوصله قال وقد رواه عن موسى غيره مثل شعبة

نوٹ:

اتحاف الخیرۃ المہر ۃ میں ایک جگہ نہیں ۲، ۲ جگہ یہ روایت موجود ہے۔ چنانچہ کتاب الامامۃ، (دیکھئے ص: ۳) کے علاوہ کتاب افتتاح الصلاۃ میں بھی حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے "ترك القراءة خلف الإمام" کا باب باندھا اور اس میں یہ روایت دوبارہ ذکر کی ہے۔ دیکھئے **اتحاف الخیرۃ المہر ۃ نسخہ دار الوطن: ج ۲: ص ۱۶۸، نسخہ مکتبۃ الرشد: ج ۲: ص ۳۴۳۔**


كتاب
إتحاف الخيرة المهرة
بزوائد المسانيد العشرة
للإمام الحافظ شهاب الدين
أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري
تقديم فضيلة الشيخ الدكتور
أحمد معبد
تحقيق
دار المشكاة للبحث العلمي
بإشراف
أبو تميم ياسر بن إبراهيم
المجلد الثاني
دار الوطن للنشر

٢٢- باب ترك القراءة خلف الإمام

[١/١٢٦٤] **قال أحمد بن منيع** : أبنا إسحاق الأزرق، ثنا سفيان وشريك، عن موسى ابن أبي عائشة، عن عبدالله بن شداد، عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: «من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة».

[٢/١٢٦٤] **قال** : وثنا جرير، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبدالله بن شداد، عن النبي ﷺ: «من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة» ولم يذكر: عن جابر .

[٣/١٢٦٤] **رواه عبد بن حميد**[١]: ثنا أبونعيم، ثنا الحسن بن صالح [عن جابر][٢] عن أبي الزبير، عن جابر، عن النبي ﷺ . . . فذكره.

قلت: إسناد حديث جابر الأول صحيح على شرط الشيخين، والثاني على شرط مسلم.

[٤/١٢٦٤] **رواه ابن ماجه في سننه**[٣]: بزيادة رجل ضعيف في الإسناد فقال: ثنا علي بن محمد، ثنا عبيدالله بن موسى، عن الحسن بن صالح، عن جابر -هو الجعفي- عن أبي الزبير . . . فذكره . .

[٥/١٢٦٤] [ق١/١٩٤-أ] **ورواه الحافظ أبوعبدالله الحاكم**: أبنا أبو أحمد بكر بن محمد بن حمدان الصيرفي، ثنا عبد الصمد بن الفضل البلخي، ثنا مكي بن إبراهيم، عن أبي حنيفة، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبدالله بن شداد بن الهاد، عن جابر بن عبدالله، عن النبي ﷺ «أنه صلى فكان من خلفه يقرأ، فجعل رجل من أصحاب النبي ﷺ ينهاه عن القراءة في الصلاة، فلما انصرف أقبل عليه الرجل فقال: أتنهاني عن القراءة خلف رسول الله ﷺ ؟! فتنازعا حتى ذكر ذلك للنبي ﷺ فقال النبي ﷺ: من صلى خلف إمام فإن قراءة الإمام له قراءة».

[٦/١٢٦٤] **ورواه البيهقي في سننه**[٤] عن الحاكم بالإسناد.

(١) المنتخب (٣٢٠ رقم١٠٥٠) .
(٢) من المنتخب ، وهو جابر بن يزيد الجعفي ، وقد سقط من نسخة المصنف ، فحكم بصحة إسناده، وأعل حديث ابن ماجه بجابر بن يزيد الجعفي، وقد رواه ابن ماجه من طريق الحسن، عن جابر به كما هنا، فتنبه.
(٣) (٢٧٧/١ رقم٨٥٠) .
(٤) السنن الكبرى (١٥٩/٢) .

إتحاف الخيرة المهرة

بزوائد المسانيد العشرة

تأليف

الإمام أحمد بن أبي بكر ابن إسماعيل

البوصيري

المتوفى ٨٤٠ هـ

تحقيق

أبي عبد الرحمن
عادل بن سعد

أبي إسحاق
السيد بن محمود بن إسماعيل

المجلد الثاني

مكتبة الرشد

الرياض

٢١ ـ باب
ترك القراءة خلف الإمام

١٨٣٢ ـ قال أحمد بن منيع : أنبا إسحاق الأزرق : ثنا سفيان وشريك ، عن موسى بن أبي عائشة ، عن عبد اللَّه بن شداد ، عن جابر قال : قال رسول اللَّه ﷺ : « **من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة** » .

١٨٣٣ ـ قال : وثنا جرير ، عن موسى بن أبي عائشة ، عن عبد اللَّه ابن شداد ، عن النبي ﷺ : « **من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة** » ولم يذكر عن جابر .

١٨٣٤ ـ ورواه عبد بن حميد : ثنا أبو نعيم : ثنا الحسن بن صالح ، عن أبي الزبير ، عن جابر عن النبي ﷺ فذكره .

قلت : إسناد حديث جابر الأول صحيح على شرط الشيخين والثاني على شرط مسلم .

رواه ابن ماجه في « سننه » بزيادة رجل ضعيف في الإسناد فقال : ثنا علي بن محمد : ثنا عبيد اللَّه بن موسى ، عن الحسن بن صالح ، عن جابر هو الجعفي ، عن أبي الزبير فذكره .

ورواه الحافظ أبو عبد اللَّه الحاكم : أنبا أبو أحمد بكر بن محمد بن حمدان الصيرفي : ثنا عبد الصمد بن الفضل (البلخي)[1] : ثنا مكي بن

---

(١) غير واضحة بالأصل وإثباتها من كتب الرجال .

اتحاف کا مخطوطہ، جس کی تفصیل گزر چکی، اس کا وہ صفحہ ملاحظہ فرمائیں، جہاں پر **کتاب الامامۃ** کے علاوہ **کتاب افتتاح الصلاۃ** میں بھی حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے "**ترك القراءة خلف الإمام**" کا باب باندھا اور اس میں یہ روایت دوبارہ ذکر کی ہے۔

باب قراءة الفاتحة خلف الإمام

باب ترك القراءة خلف الإمام

نوٹ:

حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے اپنی کتاب ''اتحاف الخیرۃ المھرۃ'' کے علاوہ اپنی ''۲'' اور کتابوں میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

پہلی کتاب:

حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے اپنی کتاب ''اتحاف الخیرۃ المھرۃ'' کا اختصار کیا، جس کا نام ''مختصر اتحاف الخیرۃ المھرۃ'' ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اتخاف الخیرۃ المھرۃ نسخہ دار الوطن: ج۱: ص۱۷، ۲۰، اس میں بھی یہ روایت موجود ہے۔
(مختصر اتحاف الخیرۃ المھرۃ: ج۱: ص۴۳۳، طبع دار الکتب علمیۃ، بیروت)

مختصر

إتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة

تأليف

الإمام أبي العباس شهاب الدين أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل الكناني الشافعي الشهير بالبوصيري

المتوفى سنة ٨٤٠هـ

تحقيق

سيد كسروي حسن

المجلد الأول

١ــ٢

دار الكتب العلمية

بيروت ـ لبنان

﴿غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾[1] قال الذين خلفه: آمين. التقت من أهل السماء ومن أهل الأرض. آمين غفر الله للعبد ما تقدم من ذنبه» قال: «ومثل الذي لا يقول: آمين كمثل رجل غزا مع قوم فاقترعوا فخرجت[2] سهامهم ولم يخرج سهمه فقال: ما لسهمي لم يخرج؟ قال إنك لم تقل آمين».[3]

رواه أبو يعلى وفي سنده ليث بن أبي سليم والجمهور على تضعيفه وهو في الصحيحين وغيرهما دون قوله: ومثل الذي.. إلى آخره. ولما تقدم شاهد من حديث أبي هريرة، وتقدم في باب قراءة البسملة.

١٥ ـ باب قراءة الفاتحة خلف الإمام وترك القراءة خلفه

١٤٣٨ ـ عن محمد بن أبي عائشة عمن شهد ذاك قال: صلى رسول الله ﷺ فلما قضى صلاته قال: «أتقرؤون والإمام يقرأ؟» قال فسكتوا. قال: «تقرؤون والإمام؟» قالوا: إنا لنفعل. قال: «فلا تفعلوا إلا أن يقرأ أحدكم بأم الكتاب في نفسه»[4].

رواه مسدد، وابن أبي عمر، واللفظ لهما، والإمام أحمد بسند جيد وتقدم له شواهد في كتاب الإمامة.

١٤٣٩ ـ وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يؤمّنا فيجهر ويخافت فجهرنا فيما جهر وخافتنا فيما خافت[5].

رواه أبو بكر بن أبي شيبة بسند ضعيف.

١٤٤٠ ـ وعن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة»[6].

(١) سورة الفاتحة (الآية: ٧).

(٢) في الأصل: «فخرج» والتصويب من المقصد العلي والمجمع.

(٣) الحديث في مسند أبي يعلى برقم (٦٤١١/١١)، وفي المقصد العلي برقم (٢٧٥) وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد (١١٣/٢) وقال: قلت: في الصحيح بعضه. رواه أبو يعلى وفيه ليث بن أبي سليم وهو ثقة مدلس وقد عنعنه.

(٤) ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد عن أنس (١١٠/٢) وقال: رواه أبو يعلى والطبراني في الأوسط ورجاله ثقات. وذكره عن رجل كما هنا بنحوه (١١١/٢) وقال: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح.

(٥) طرفه عند أحمد بن حنبل في المسند (٣٠٨/٢).

(٦) ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد (١١١/٢) عن أبي سعيد الخدري وقال: رواه الطبراني في الأوسط وفيه: أبو هارون العبدي وهو متروك.

رواه أحمد بن منيع مرفوعًا بسند صحيح على شرط الشيخين ومرسلاً بسند رجاله ثقات.

ورواه عبد بن حميد بسند صحيح على شرط مسلم.

ورواه ابن ماجة[١] بسند ضعيف.

ورواه الحاكم، البيهقي[٢].

١٦ ـ **باب** تخفيف الصلاة، والقراءة بأقصر السور

١٤٤١ ـ وعن حَيان البَارقي قال: قيل لابن عمر رضي الله عنهما ـ أو قال له رجل: ـ إني أصلّي خلف فلان وإنه يطيل الصلاة. فقال: إنَّ ركعتين من صلاة رسول الله ﷺ كان أخف[٣] من ركعة من صلاة فلان ـ أو كان مثل صلاة فلان أو مثل ركعة من صلاة فلان[٤] ـ.

رواه أبو داود الطيالسي بإسناد صحيح. حيان بن إياس ذكره ابن حبان في الثقات، وباقي رجال الإسناد رجال الصحيح.

١٤٤٢ ـ وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: أن النبي ﷺ صلّى بهم الفجر فقرأ بهم بأقصر سورتين من القرآن ـ أو أوجز ـ قال: فلما قضى الصلاة قال له أبو سعيد الخدري ـ أو مُعاذ: ـ يا رسول الله رأيتُك صليتَ صلاة ما رأيتك صلّيت مثلَها قط. قال: **«أما سمعت بكاء الصبي خَلْفي في صفّ النساء أردتُ أن أفرّغ له أمّه»**[٥].

٧٦/ب /رواه أبو بكر بن أبي شيبة وعبد بن حميد بسند ضعيف لضعف أبي هارون العبدي.

لكن له شاهد في الصحيحين وغيرهما من حديث أنس، ورواه البخاري وغيره من حديث قتادة.

١٤٤٣ ـ وعن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه قال: آخر كلام كلمني به رسول الله ﷺ حين استعملني على الطائف قال: **«خَفِّف الصلاة على الناس»** حتى وقَّتَ لي:

---

(١) راجع السنن (٨٥٠).

(٢) راجع السنن الكبرى (٢/١٦٠، ١٦١).

(٣) كذا في الأصل. وفي المطالب: «كانتا أخف».

(٤) ذكره ابن حجر في المطالب العالية برقم (٤٤٥) وعزاه لأبي داود الطيالسي.

(٥) ذكره ابن حجر في المطالب العالية برقم (٤٤٧) وعزاه لأبي بكر بن أبي شيبة.

اسی طرح "مختصر اتحاف الخیرۃ المهرة" کا مخطوطہ المكتبة شستربيتي، المدينة: دبلن، الدولة: ايرلندا، رقم الحفظ: ۱/ ۳۰۹۹ میں موجود ہے۔ اس مخطوطہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

3099

MUKHTAṢAR ITḤĀF AL-SĀDAT AL-BARARA BI-ZAWĀ'ID AL-MASĀNĪD AL-'ASHARA, by Abu 'l-'Abbās Aḥmad b. Abī Bakr b. Ismā'īl AL-BŪṢĪRĪ al-Kinānī al-Shāfi'ī (d. 840/1436).

[The first part of an epitome of the author's own collection of Traditions.]

Foll. 328. 27·3 × 18·4 cm. Clear scholar's naskh.

Undated, 10/16th century.

Brockelmann ii. 67, Suppl. ii. 72.



الكتاب لم يزد على ذلك غيره (ن) رواه مسدد وأحمد بن حنبل بسند حسن والحرث وأبو يعلى والبيهقي
وأصله في الصحيحين وغيرهما من حديث عبادة بن الصامت لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب
قال الترمذي والعمل عليه عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم منهم عمر بن الخطاب
وجابر بن عبد الله وعمران بن الحصين وغيرهم قالوا لا تجزئ صلاة إلا بقراءة فاتحة الكتاب وبه
يقول ابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحق وعن علي بن يحيى بن خلاد عن عمه قال كان رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقرأ في الركعتين الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة وفي الأخريين بفاتحة
الكتاب (ن) رواه إسحق بسند ضعيف لتدليس ابن إسحق وضعف مندل بن علي لكن له شاهد من
حديث جابر بن عبد الله رواه ابن ماجة والبيهقي وقال وروينا ما دل على هذا عن علي بن أبي
طالب وابن مسعود وعائشة وعن مجاهد أن يهوديا مر بأهل مسجد وهم يقولون آمين قال
اليهودي والذي علمكم آمين إنهم لعلى الحق (ن) رواه مسدد ورجاله ثقات وعن أنس بن مالك رضي
الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطيت ثلث خصال صلاة في الصفوف وأعطيت
السلام وهو تحية أهل الجنة وأعطيت آمين ولم يعطها أحد ممن كان قبلكم إلا أن يكون الله
أعطاها هرون فإن موسى كان يدعو ويؤمن هرون (ن) رواه الحرث بسند ضعيف لضعف زربي
ابن عبد الله لكن رواه ابن خزيمة في صحيحه وتردد في ثبوته وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال الذين خلفه
آمين التقت من أهل السماء ومن أهل الأرض آمين غفر الله للعبد ما تقدم من ذنبه قال ومثل الذي
لا يقول آمين كمثل رجل غزا مع قوم فاقترعوا فخرج سهامهم ولم يخرج سهمه فقال ما لسهمي لم يخرج
قال إنك لم تقل آمين (ن) رواه أبو يعلى وفي سنده ليث بن أبي سليم والجمهور على تضعيفه وهو
في الصحيحين وغيرهما دون قوله ومثل الذي إلى آخره باب ـــــ قراءة الفاتحة
خلف [illegible] (ن) عن محمد بن أبي عائشة عمن شهد ذلك قال صلى
رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قضى صلاته قال أتقرؤن والإمام يقرأ قال فسكتوا قال
تقرؤن والإمام يقرأ قالوا إنا لنفعل قال لا تفعلوا إلا أن يقرأ أحدكم بأم الكتاب في نفسه (ن) رواه
مسدد وابن أبي عمر واللفظ لهما والإمام أحمد بسند جيد وتقدم له شواهد في كتاب الإمامة
وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فيجهر ونجافت فجهرنا
فيما جهر وخافتنا فيما خافت (ن) رواه أبو بكر بن أبي شيبة بسند ضعيف وعن جابر رضي
الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة (ن) رواه
أحمد بن منيع مرفوعا بسند صحيح على شرط الشيخين ومرسلا بسند رجاله ثقات ورواه عبد
ابن حميد بسند صحيح على شرط مسلم ورواه ابن ماجة بسند ضعيف ورواه الحاكم والبيهقي
باب ـــــ تخفيف الصلاة والقراءة بأقصر السور
عن حبان البارقي قال قيل لابن عمر رضي الله عنهما أو قال له رجل إني أصلي خلف فلان وإنه يطيل
الصلاة فقال إن ركعتين من صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم كانتا أخف من ركعة من صلاة فلان أو

دوسری کتاب:

حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے اپنی ایک اور کتاب "مصباح الزجاجة" میں یہی روایت ذکر کی ہے۔ (ج ۲: ص ۵۵٦)

المملكة العربية السعودية
وزارة التعليم العالي
الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة
عمادة البحث العلمي
رقم الإصدار (٦٣)



مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجة

تأليف

الحافظ شهاب الدين أبو العباس أحمد بن أبي بكر
ابن إسماعيل بن سليم بن قايماز البوصيري
الكناني المصري

تحقيق ودراسة

د. عوض بن أحمد الشهري
عضو هيئة التدريس في الجامعة الإسلامية
بكلية الحديث الشريف

الجزء الثاني

(٦) باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا

(٣١٢) حدثنا علي بن محمد، ثنا عبيد الله بن موسى، عن الحسن بن صالح[1]،عن جابر، عن أبي الزبير عن جابر قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :

من كان له إمام فإن قراءة الإمام له قراءة .

هذا إسناد ضعيف، جابر هو ابن يزيد الجعفي متهم .

لكن رواه أحمد بن منيع، وعبد بن حميد بسند صحيح كما بينته في زوائد المسانيد العشر[2]، وهذا حديث مخالف لما رواه الأئمة الستة من حديث　٥٦/أ

---

(١) ابن صالح بن حي الهمذاني بسكون الميم، ثقة فقيه عابد رمي بالتشيع من السابعة مات سنة تسع وستين ومائة وكان مولده سنة مائة / بخ م ٤ (التقريب ١٦٧/١) وانظر التهذيب والخلاصة حيث وقع خطأ في سنة الوفاة في التقريب .

(٢) كتاب الإمامة ، باب ترك القراءة خلف الإمام وهو عند عبد بن حميد ثنا أبو نعيم ثنا الحسن بن صالح عن أبي الزبير عن جابر عن النبي ﷺ وفيه عنعنة أبي الزبير وقال الألباني في الإرواء ٢٧٠/٢ : الظاهر أن الحسن بن صالح على ثقته كان يضطرب فيه وعند أحمد بن منيع ثنا إسحاق الأزرق ثنا سفيان وشريك عن موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر فذكره : وقد أعل بالإرسال انظر سنن الدارقطني ٣٢٤/١ والكامل لابن عدي ٧٠٦/٢، ونصب الراية ٦/٢-١٠ والإرواء ٢٧١/٢، ٢٧٢، قال البخاري في جزء القراءة ص ٩ : " هذا خبر لم يثبت عند أهل العلم من أهل الحجاز ، وأهل العراق ، وغيرهم لإرساله وانقطاعه" وقال المجد =

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) کی کتاب "اتحاف الخیرۃ المھرۃ" کے موجودہ تمام مطبوع وغیر مطبوع نسخوں میں یہ روایت ۲، ۲ جگہ موجود ہے۔ نیز اس کتاب کے اختصار کے مطبوع ومخطوطے میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ بلکہ خود حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) کے نزدیک بھی "اتحاف الخیرۃ المھرۃ" میں انہوں نے مسند احمد بن منیعؒ سے روایت صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ جیسا کہ مصباح الزجاجہ کا حوالہ گزر چکا۔

لہذا اثری صاحب کا یہ کہنا کہ "یہ روایت بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں"، باطل ومردود ہے۔

محدث کشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ) کا حوالہ:

محدث کشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ) کہتے ہیں کہ

"فما وجدت الحديث في النسخة التي تحت مطالعتي لإتحاف المهرة لكني أقطع بأن الحديث صحيح، وأن في نسختي سقطاً من الناسخ فإن القصة المفصلة المذكورة لا يمكن انكارها"

پھر میں نے میرے مطالعہ میں موجود اتحاف کے نسخے میں یہ روایت نہیں پائی، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور میرے اتحاف کے نسخے میں یہ روایت ناسخ سے ساقط ہوگئی، کیونکہ [ابوالحسن سندھیؒ کا نقل کردہ] مذکورہ مفصل قصے کا انکار ممکن نہیں ہے۔ (**العرف الشذی: ج۱: ص ۳۱۲**)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خود محدث کشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ) نے صراحت کردی کہ ان کے نسخے میں یہ روایت ناسخ کی غلطی کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے۔ لیکن موصوف اثری نے اس بات کو نقل نہیں کیا ہے۔

محدث ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ) کے حوالے کی حقیقت:

چونکہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کی کتاب "**المطالب العالیۃ**" میں یہ روایت نہیں ہے۔ اس لئے محدث اعظمیؒ نے اس روایت کو بحوالہ اتحاف الخیرۃ نقل نہیں کیا۔ لیکن جو بات اثری صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نسخے میں بھی یہ روایت نہیں تھی، وہ مردود ہے۔ کیونکہ محدث اعظمیؒ نے خود صراحت کردی کہ انہوں نے المطالب العالیۃ کی تحقیق میں اتحاف کے جس نسخے کو استعمال کیا ہے، وہ **مختصر اتحاف الخیرۃ المھرۃ** کا نسخہ ہے۔ (**المطالب العالیۃ لابن حجر، بتحقیق اعظمی: ج۱: ص ن**)

اور مختصر اتحاف الخیرۃ المہرۃ میں یہ روایت موجود ہے، جیسا کہ ہم نقل کر آئے ہے۔ (**دیکھئے ص: ۱۵**)، لہذا اثری صاحب کا یہ حوالہ بھی ان کے کوئی کام کا نہیں ہے۔

اور رجوع والی بات بھی موصوف کی صرف اپنی خیالی بات ہے، اس کا حقیقت سے کوئی لینے دینا نہیں ہے۔

دوسری شق کا جواب:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے المطالب العالیۃ میں مسند احمد بن منیع سمیت ۸ مسانید سے، کتب الستۃ پر زائد نقل کئے ہے۔لیکن حافظؒ نے کامل طور پر ہر ہر باب کے تمام زاوئد نقل نہیں کئے۔یہی وجہ ہے کہ خود اثری صاحب نے اپنی ہی کتاب میں محدث اعظمیؒ سے نقل کیا ہے کہ

اس باب میں حافظ ابن حجرؒ نے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کو ذکر نہیں کیا۔جنہیں ابویعلیٰؒ نے روایت کیا ہے اور ان کو بوصیریؒ نے ذکر کیا ہے۔(**توضیح الکلام: ص ۸۵۱**)

اس طرح کی اور بھی مثالیں ذکر کی جاسکتی ہے کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظؒ نے کامل طور پر ہر ہر باب کے تمام زاوئد نقل نہیں کئے۔

لہذا جب کامل طور پر تمام زوائد ذکر ہی نہیں کئے گئے، تو اثری صاحب کا حافظؒ کے اس روایت کے عدم ذکر سے ان کے نزدیک اس روایت کے غیر معتبر پر ہونے پر استدلال کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

تیسری شق کا جواب:

اور رہا فقیہ ابوالحسن سندھیؒ (م ۱۱۳۸ھ) کی ذکر کردہ حکایت، تو عرض ہے کہ ابوالحسن السندھیؒ (م ۱۱۳۸ھ) نے اس حکایت کو کہا سے نقل کیا ہے؟؟؟ کیا غیر مقلدین ایسی حکایت کو مانتے ہیں، جس کی سند کا کوئی علم نہیں ہے؟؟؟

اور اگر فقیہ ابوالحسن سندھیؒ (م ۱۱۳۸ھ) کی ذکر کردہ حکایت کو مان بھی لیا جائے، تو حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) اخیر میں کہتے ہیں کہ

"ثم قال البُوصيري: فعلمت من تبسُّمه أنه ليس براضٍ عنه غير أنه لم يردَّه صراحةً أيضًا"

تو میں نے ان کی تبسم سے جانا کہ حافظؒ اس حدیث سے راضی نہیں ہے، مگر انہوں نے صراحتاً اس روایت کو رد نہیں کیا۔(**فیض الباری: ج ۲: ص ۳۴۷**)

یعنی اس روایت سے حافظؒ راضی نہیں تھے، یہ حافظ بوصیریؒ کا خیال ہے۔حافظؒ نے صراحتاً زبان سے اس روایت کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا، نیز اگر حافظؒ راضی نہیں تھے، تو زیادہ سے زیادہ یہ جرح غیر مفسر ہوئی، جس کا رد محدث کشمیریؒ نے کردیا ہے۔(**العرف الشذی: ج ۱: ص ۳۱۲**)

شاید یہی وجہ ہے کہ خود ناقل حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) سمیت کئی ائمہ وعلماء نے حافظؒ کے خلاف میں اس حدیث کی تصحیح وتحسین فرمائی ہے۔

لہذا اس حکایت سے اثری صاحب کا استدلال باطل ومردود ہے۔اور یہ روایت بالتحقیق والیقین صحیح ومقبول ہے۔واللہ اعلم

شمارہ نمبر ۱۹

اپریل/ ۲۰۲۱

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا







دوماہی مجلّہ

الاجماع



* امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔[قسط ۶] (رسول اللہ ﷺ کے کلام مبارک سے)
* امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) ثقہ، امام، فقیہ، حافظ الحدیث اور ثبت، متقن ہیں۔
* حافظ ابو محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ)، جرح و تعدیل کے میزان میں۔
* امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابتؒ (م ۱۵۰ھ) ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔[قسط ۲]

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت۔(قسط ٦)

(رسول اللہ ﷺ کے کلام مبارک سے)

مولانا نذیر الدین قاسمی

<u>دلیل نمبر ۱۵:</u>

مشہور محدث، صدوق[۱]، امام، حافظ الحدیث، ابو محمد، عبداللہ بن یعقوب بن محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) نے کہا:

حدثنا صالح بن محمد الأسدي، وعبد الله بن محمد البلخي، ومحمد بن صالح بن سهل الترمذي، وعبد الله بن عبيد الله بن شريح البخاري قالوا: حدثنا أحمد بن عبد الرحمن بن وهب، حدثنا عبد الله بن وهب، حدثني الليث بن سعد، عن يعقوب بن إبراهيم أبي يوسف، عن النعمان أبي حنيفة، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد بن الهاد، عن جابر بن عبد الله: أن رجلاً قرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم في الظهر أو العصر، وأومأ إليه رجل فنهاه رجل من أصحابه كان إلى جنبه، فلما انصرف قال: أتنهاني أن أقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم؟ فتذاكرا ذلك حتى سمع النبي صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى خلف الإمام فإن قراءة الإمام له قراءة۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کے پیچھے ظہر یا عصر کی نماز میں قرآن پڑھا تو دوسرے آدمی نے اس کو اشارے سے روکا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا، تو اس نے اس روکنے والے سے کہا: ''کیا تو مجھ کو نبی ﷺ کے پیچھے قرآن پڑھنے سے روکتا ہے؟'' یہ مسئلہ ان دونوں کے درمیان چلتا رہا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے یہ سن لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرآت اس (مقتدی) کی قرآت ہے۔ (**مسند ابی حنیفہ للحارثی بحوالہ جامع المسانید: ج۱: ص ۳۳۴**)

<u>سند کی تحقیق:</u>

(۱)　امام، حافظ الحدیث، ابو محمد، عبداللہ بن یعقوب بن محمد الحارثیؒ (م ۳۴۰ھ) مشہور صدوق، حافظ ہیں، جن کی تفصیل

---

(۱)　ان کی توثیق ص: ۲۲ پر موجود ہے۔

ص: پر موجود ہے۔

(۲) حافظ صالح بن محمد الاسدیؒ (م ۲۹۳ھ) مشہور ثقہ، امام اور حافظ الحدیث ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ج ۱۴: ص ۲۴)
نیز ان کے متابع میں عبداللہ بن محمد بن علی البلخیؒ، محمد بن صالح بن سہل الترمذیؒ، عبداللہ بن عبیداللہ بن شریح البخاریؒ وغیرہ بھی موجود ہیں۔

(۳) احمد بن عبدالرحمٰن بن وہبؒ (م ۲۶۴ھ) صحیح مسلم کے راوی اور صدوق ہیں۔ (تقریب: رقم ۶۷)

نوٹ نمبر ۱:

اگر چہ احمد بن عبدالرحمٰن بن وہبؒ (م ۲۶۴ھ) کو اختلاط ہو گیا تھا، لیکن وہ اپنے اختلاط سے درست ہو گئے تھے۔ (تہذیب الکمال: ج ۱: ص ۳۸۸)، واللہ اعلم

نوٹ نمبر ۲:

احمد بن عبدالرحمٰن بن وہبؒ (م ۲۶۴ھ) کے متابع میں ثقہ، راوی سعید بن تلیدؒ (م ۲۱۹ھ) موجود ہیں۔ (مسند ابی حنیفہ لابن خسرو: ج ۲: ص ۷۵۶)[۱]

لہذا احمد بن عبدالرحمٰن بن وہبؒ (م ۲۶۴ھ) پر اختلاط کا اعتراض ہی بیکار ہے۔

(۴) امام عبداللہ بن وہبؒ (م ۱۹۷ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، عابد، حافظ الحدیث ہیں۔ (تقریب: رقم ۳۶۹۴)

(۵) امام لیث بن سعدؒ (م ۱۷۵ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، ثبت، فقیہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۵۶۸۴)

(۶) امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم القاضیؒ (م ۱۸۲ھ) بھی مشہور ثقہ، امام، فقیہ، حافظ الحدیث اور ثبت، متقن محدث ہیں۔ ان کا مختصر تعارف ص: ۱۹ پر موجود ہے۔

(۷) امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت الکوفیؒ (م ۱۵۰ھ) بھی ثقہ، حافظ الحدیث اور ثبت، امام ہیں۔ (دیکھئے ص: ۳۱، مجلہ الاجماع: ش ۱۷: ص ۱۶)

(۸) ابو الحسن، موسی بن ابی عائشہؒ اور

(۹) ابو الولید، عبداللہ بن شداد بن الہادؓ کی تفصیل گزر چکی۔

---

(۱) اس کی سند ضعیف ہے۔ لیکن متابع میں ذکر کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اثری صاحب کا کہنا ہے۔ (توضیح الکلام)

(۱۰) عبداللہ بن جابرؒ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(تقریب)

لہذا یہ روایت کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں اور سند متصل و حسن ہے۔واللہ اعلم،

نوٹ نمبر ا:

امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) کے علاوہ، امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) سے، یہ روایت

- امام زفر بن ہذیلؒ (م ۱۵۴ھ)،
- حمزہ بن حبیب الزیاتؒ (م ۱۵۸ھ)،
- امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ)، [۱]
- امام اسد بن عمروؒ (م ۱۹۰ھ)، [۲]
- اسحاق بن یوسف الواسطیؒ (م ۱۹۵ھ)،
- عمرو بن محمد العنقزیؒ (م ۱۹۹ھ)، ہ
- خالد بن سلیمان، ابومعاذؒ (م ۱۹۹ھ)،
- فضل بن موسیٰؒ (م ۱۹۲ھ)،
- اسحاق الازرقؒ (م ۱۹۵ھ)،
- یونس بن بکیرؒ (م ۱۹۹ھ)،
- امام حسن بن زیادؒ (م ۲۰۴ھ)، [۳]
- صدوق، امام، ابویحیی الحمانیؒ (م ۲۰۲ھ)،
- جعفر بن عونؒ (م ۲۰۷ھ)،
- ابوعبدالرحمٰن، عبداللہ بن یزید المقریؒ (م ۲۱۳ھ)،

---

(۱) امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور ضابط، مجتہد، حجت، امام ہیں۔ دیکھئے مجلہ الاجماع: ش ۱۳: ص ۱۔

(۲) امام اسد بن عمرو البجلیؒ (م ۱۹۰ھ) بھی صدوق، امام ہیں۔(دیکھئے ص: ۲۸)

(۳) امام حسن بن زیادؒ (م ۲۰۴ھ) کی توثیق بھی ص: ۳۰ پر موجود ہے۔

- مکی بن ابراہیمؒ (م ۲۱۵ھ)،
- یحیی بن نصر بن حاجبؒ (م ۲۱۵ھ)،
- عبیداللہ بن زبیر القرشیؒ،
- محمد بن مسروقؒ وغیرہ کئی حضرات نے اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے۔(**مسند ابی حنیفہ للحارثی: ج۱: ص۴۰۶-۴۲۱، مسند ابی حنیفہ لابن خسرو[۱] : ج۲: ص۷۵۱-۷۵۸، جامع المسانید للخوارزمی[۲]: ج۱: ص، مسند ابی حنیفہ لابی نعیم: ص۲۲۶)**

نوٹ نمبر ۲:

اس روایت کو متصل یعنی "عن جابرؓ" کا اضافہ نقل کرنے میں امام صاحب منفرد بھی نہیں ہیں۔ان کے کئی متابع موجود ہیں۔

متابع نمبر "۱" اور "۲":

چنانچہ ثقہ، ثبت، حافظ، امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ

أبنا إسحاق الأزرق، ثنا سفيان و شريك، عن موسى ابن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد، عن جابر قال: قال رسول الله - صلى الله عليه و سلم: "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس کا (نماز میں) کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔(**مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبصیری: ج۲: ص۸۰، ج۲: ص۱۶۸**)

اس سند کے روات کی تفصیل اور روایت کی تصحیح گزر چکی۔(**مجلہ الاجماع: ش۱۸: ص۱**)

غور فرمایئے! اس روایت میں ۲، ۲ راوی سفیان ثوریؒ اور شریک بن عبداللہؒ نے، امام صاحبؒ کی طرح اس روایت کو مسند بیان کرتے ہوئے، حضرت جابر بن عبداللہؓ کا ذکر کیا ہے اور وہ دونوں ثقہ ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

---

(۱) حافظ ابن خسروؒ (م ۵۲۲ھ) بھی مشہور محدث اور ثقہ، امام حافظ الحدیث ہیں۔(**مجلہ الاجماع: ش۵: ص۱۰۵**)

(۲) امام ابوالمؤید، محمد بن محمد الخوارزمیؒ (م ۶۶۵ھ) بھی صدوق ہیں۔کیونکہ علماء نے ان کو شیخ، امام، خطیب، فقیہ، قاضی القضاۃ قرار دیا ہے۔(**الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ: ص۶۷، مجلہ الاجماع: ش۴: ص۳۰**)

یہی وجہ ہے کہ کئی ائمہ وعلماء مثلاً امام، حافظ شہاب الدین بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ)، امام ابن الہمامؒ (م ۸۶۱ھ)، حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م ۸۷۹ھ)، شیخ فاضل، محمد ہاشم سندھیؒ (م ۱۱۷۴ھ)، مشہور مفسر، محدث، محمود بن عبد اللہ الآلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ)، محدث محمد بن علی النیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ)، محدث الہند، امام انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ)، وغیرہ حضرات نے کہا کہ اس روایت کو مسند بیان کرنے میں امام ابوحنیفہؒ منفرد نہیں، بلکہ ان کے متابع میں سفیان ثوریؒ اور شریک بن عبد اللہ النخعیؒ وغیرہ موجود ہیں۔ (**اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ج ۲: ص ۱۶۹، طبع دار الوطن، فتح القدیر: ج ۱: ص ۳۳۸، تخریج احادیث الاختیار: ج ۱: ص ۱۶۸، طبع الفاروق، تنقیح الکلام: ص ۱۳۲، رسالۃ الدکتوراۃ، تفسیر آلوسی: ج ۵: ص ۱۴۱، آثار السنن مع تعلیق الحسن: ص ۹۴، العرف الشذی: ج ۱: ص ۳۱۲**)

لہذا بعض ائمہ کا یہ کہنا کہ امام صاحبؒ اس روایت کو مسند بیان کرنے میں تنہا ہیں، غیر صحیح ہے۔

متابع نمبر ۳:

امام ابوبکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کہتے ہیں کہ

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ حدثنا أبو بكر محمد بن حامد الفقيه ببخاری نا أبو الفضل محمد بن أحمد السلمي نا العباس بن عزيز بن سيار القطان المروزي نا عتيق بن محمد النيسابوري نا حفص بن عبد الرحمن عن أبي شيبة عن الحكم بن عتيبة عن عبد الله بن شداد عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام فإن قراءة الإمام له قراءة۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ (**کتاب القراءت للبیہقی: ص ۱۵۴**)

اس روایت کے رواۃ کی تفصیل یہ ہے:

(۱) امام ابوبکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ (**تاریخ الاسلام**)

(۲) امام ابوعبد اللہ، محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسا پوریؒ (م ۴۰۵ھ) بھی مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور صاحب المستدرک ہیں۔ (**کتاب الثقات للقاسم**)

(۳) ابوبکر محمد بن حامد بن علی بخاریؒ (م ۳۸۴ھ) بھی ثقہ، زاہد، فقیہ ہیں۔ (**الروض الباسم: ج ۲: ص ۹۶۰**)

(۴) ابو الفضل، محمد بن احمد السلمی الحاکمؒ (م ۳۴۴ھ) بھی ثقہ، حافظ الحدیث اور فقیہ ہیں۔ **(الروض الباسم: ج ۲: ص ۱۲۰۸)**

(۵) عباس بن عزیز بن سیار القطان المروزیؒ میں، حافظ مزیؒ (م ۷۴۲ھ) کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ لہذا وہ بھی صدوق ہیں۔ **(تاریخ بغداد: ج ۱۱: ص ۴۰۵، ج ۱۳: ص ۳۴۶، طبع علمیۃ، بیروت، تہذیب الکمال: ج ۲۸: ص ۴۳۶، ج ۱: ص ۱۵۳)**

(۶) عتیق بن محمد، ابو بکر نیساپوریؒ (م ۲۵۵ھ) بھی صدوق ہیں۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: ج ۸: ص ۵۲۵، کتاب الثقات للقاسم: ج ۷: ص ۲۷، تاریخ الاسلام: ج ۶: ص ۱۲۱)**

(۷) حفص بن عبد الرحمٰن البلخیؒ (م ۱۹۹ھ) سنن نسائی کے راوی اور صدوق ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۴۱۰)**

(۸) ابو شیبہ، عبد الرحمٰن بن اسحاق الواسطیؒ اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن متابعات میں قابل ذکر ہیں۔

چنانچہ امام عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ عبد الرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہیں، حدیث میں جائز ہیں اور ان کی حدیث لکھی جائے۔ **(معرفۃ الثقات للعجلی: ج ۲: ص ۷۲)**، امام ابو حاتمؒ (م ۲۷۷ھ) کہتے ہیں کہ حدیث میں کمزور، منکر الحدیث ہیں، مگر انکی حدیث لکھی جائے، البتہ احتجاج نہ کیا جائے۔ **(الجرح والتعدیل: ج ۵: ص ۲۱۳)**

امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے ایک قول میں ان کو ضعیف کہا اور ایک میں کہا کہ ان کا معاملہ قابل غور ہے۔ لیکن ایک جگہ وضاحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن کی تضعیف کی گئی ہے، اور جب میں ان کی حدیث میں غور کیا، تو میں نے اس کو صحت کے قریب پایا۔ **(العلل الکبیر للترمذی: ص ۱۷، ۱۷۸، التاریخ الکبیر للبخاری: ج ۵: ص ۲۵۹)**

امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے ایک جگہ ان پر کلام نقل کیا ہے۔ **(سنن ترمذی: حدیث نمبر ۲۵۲۷)**، دوسری جگہ خود امام صاحبؒ نے ان کی روایات کو حسن کہا ہے۔ **(سنن ترمذی: حدیث نمبر ۱۴۷۱، ۳۵۶۳)**، اسی طرح ایک جگہ امام بزارؒ (م ۲۹۲ھ) عبد الرحمٰن کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔ **(مسند البزار: ج ۲: ص ۲۷۷)**، ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ "**لیس حدیثه حدیث حافظ، وقد احتمل حدیثه**" ان کی حدیث، حافظ الحدیث کی طرح نہیں ہے، لیکن ان کی حدیث قابل احتمال ہے (یعنی حدیث میں قابل برداشت ہیں)۔ **(مسند البزار: ج ۶: ص ۳۱۱)**،

امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے کہا کہ ثقات نے ان کی بعض روایات کی متابعات نہیں کی۔ اور (اس لئے) سلف

نے ان پر کلام کیا ہے۔ امام ابن خلفونؒ (م ۶۳۶ھ) نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(الاکتفاء للمغلطائی: ج ۲: ص ۳۱۶-۳۱۷)**

ان اقوال سے کم سے کم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاقؒ متابعات میں قابل ذکر ہیں۔ واللہ اعلم

(۹) الحکم بن عتیبۃ الکندیؒ (م ۱۱۳ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، ثبت، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۴۵۳)**

(۱۰) عبداللہ بن شدادؒ (م ۸۱ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۱۱) جابر بن عبداللہؓ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

الغرض اس روایت سے بھی امام صاحب کی روایت کا مسند اور جابرؓ سے ثابت ہونا، معلوم ہوتا ہے۔

متابع نمبر ۴:

امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا مالك بن إسماعيل، عن حسن بن صالح، عن أبي الزبير، عن جابر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: كل من كان له إمام، فقراءته له قراءة۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۸۲۳، والفظ لہ، مسند احمد بن حنبل: ج ۲۳: ص ۱۲، تحفۃ الاشراف للمزی: ج ۲: ص ۲۹۱)**

اس سند کے روات کی تفصیل اور روایت کی تصحیح گزر چکی۔ **(مجلہ الاجماع: ش ۱۷: ص ۱-۴)**

اس روایت میں ثقہ، حافظ الحدیث، امام حسن بن صالح بن حیؒ (م ۱۶۹ھ)، امام صاحبؒ کے متابع ہیں۔

متابع نمبر ۵:

ثقہ، ثبت، امام اور حافظ الحدیث ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا أبو أمية، قال: ثنا إسحاق بن منصور السلولي، قال: ثنا الحسن بن صالح، عن جابر، وليث، عن أبي الزبير، عن جابر، رضي الله عنه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ **(شرح معانی الآثار: ج۱: ص ۲۱۷)**

اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور لیث بن ابی سلیمؒ (م۱۴۸ھ) کو متابعات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔ **(مجلہ الاجماع: ش ۱۷: ص ۵)**

خلاصہ کلام یہ کہ امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ) اس روایت کو مسند و متصل بیان کرنے میں منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے متابع میں سفیان ثوریؒ، شریک بن عبداللہؒ، حسن بن صالح وغیرہ رواۃ کی ایک جماعت موجود ہے، جیسا کہ ائمہ وعلماء کے حوالے گزر چکے۔

لہذا اس روایت کو مسند بیان کرنے کے سلسلے میں امام صاحبؒ (م۱۵۰ھ) پر اعتراض کرنا باطل ومردود ہے۔ واللہ اعلم

کیا اس حدیث سے امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی؟؟

بعض علماء نے یہ بات کہی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی اس حدیث سے امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ مقتدی کے لئے امام کی قراءت کی کفایت ثابت ہوتی ہے اور اب مقتدی کو الگ سے قراءت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ **(توضیح الکلام: ص ۸۸۴)**

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ عام طور سے اس روایت کے الفاظ "من كان له إمام، فقراءته له قراءة" ہے۔ لیکن حدیث، حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔ **(نور العینین: ص ۱۲۰، دین الحق وغیرہ)** اور مسند ابوحنیفۃ للحارثی کی ایک حسن روایت میں ہے کہ

قال الحارثي: حدثنا محمد بن المنذر بن سعيد الهروي، حدثني عبد الله بن يزيد الحراني، حدثنا الخضر بن محمد، حدثنا مروان بن شجاع، عن أبي حنيفة، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد بن الهاد، عن جابر بن عبد الله قال: قرأ رجل خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم بـ{سبح اسم ربك الأعلى}، فلما فرغ النبي صلى الله عليه وسلم من الصلاة سأل فقال: من الذي قرأ خلفي؟، فسكتوا حتى قال ذلك ثلاثاً، فقال رجل من القوم: أنا، فقال: أنت الذي خالجتني القرآن، لا تفعلوا، من كان خلف إمام فإن قراءة الإمام له قراءة۔

ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کے پیچھے **"سبح اسم ربك الأعلى"** کی قراءت کی، تو جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، تو پوچھا کہ کس نے میرے پیچھے قراءت کی، تو لوگ خاموش رہے، یہاں تک کہ حضور ﷺ نے "۳" مرتبہ پوچھا، تو ایک اس صحابیؓ نے کہا کہ یا رسول ﷺ میں نے قراءت کی۔

تو حضور ﷺ نے فرمایا: تو نے مجھے قراءت کے سلسلے میں شک میں ڈال دیا۔ (پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا) کہ تم لوگ امام کے پیچھے قراءت نہ کرو، (اس لئے کہ) جو کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ **(مسند ابی حنیفہ للحارثی: ج۱: ص۴۱۹، [۱] نیز دیکھئے: ج۱: ص۴۱۶، جامع المسانید للخوارزمی: ج۱: ص۳۳۹)**

اس روایت کے الفاظ بالکل صریح ہیں کہ یہ حدیث امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

واللہ اعلم [۲]

---

(۱)　اس روایت کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں۔

- حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کی توثیق گزر چکی۔
- محمد بن المنذر بن سعید الہرویؒ (م ۳۰۲ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(التذییل علی کتب الجرح و التعدیل: ص۲۹۱)**،
- عبد اللہ بن یزید، ابو جعفر الاعمی الحرانیؒ صدوق ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج۶: ص۱۶۱، کتاب الثقات لابن حبان: ج۸: ص ۳۶۸، الکامل لابن عدی: ج۱: ص ۳۳۴، ۷۹)**،
- خضر بن محمد بن شجاع، ابو مروان الحرانیؒ (م ۲۲۱ھ) سنن نسائی کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۷۲۰)**،
- مروان بن شجاع الحرانیؒ (م ۱۸۱ھ) صحیح بخاری کے راوی اور صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ **(تحریر تقریب التہذیب: رقم ۶۵۷۱)**،

باقی روات کی تفصیل گزر چکی، لہذا یہ سند حسن ہے۔ واللہ اعلم،

(۲)　**اعتراض:**

اس حدیث پر اثری صاحب کا یہ اعتراض کیا کہ جس قراءت کو آپ ﷺ نے ناگوار سمجھا، وہ قراءت فاتحہ نہ تھی بلکہ سورہ فاتحہ سے زائد قراءت تھی اور وہ بھی جب کہ پڑھنے والے نے بلند آواز سے پڑھی تھی اور دلیل میں ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) کا قول نقل کیا ہے۔

الجواب:

اولا　امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ ھ) اور امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ ھ) کے درمیان کی سند نامعلوم ہے۔

دوم　بقول اثری صاحب کہ اگر اس روایت میں آپ ﷺ کو سورہ فاتحہ سے زائد قراءت ناگوار گزری تھی، تو کیا آپ ﷺ سری نماز میں سورہ فاتحہ سے زائد قراءت جہراً کرنے سے منع کے لئے "**أنت الذي خالجتني القرآن، لا تفعلوا، من كان خلف إمام فإن قراءة الإمام له قراءة**" تونے مجھے قراءت کے سلسلے میں شک میں ڈال دیا، تم لوگ امام کے پیچھے قراءت نہ کرو، (اس لئے کہ) جو کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے کہیں گے؟؟

کیونکہ یہاں اس روایت میں اللہ کے نبی ﷺ نے امام کی قراءت کو مقتدی کی قراءت قرار دیا ہے۔

اور روایت خود روایت کی وضاحت کرتی ہے۔ (**نور العینین: ص ۱۲۰، دین الحق وغیرہ**)، اور صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وغیرہ "**قراءت**" سورہ فاتحہ سے شروع فرماتے تھے۔ (**مسند احمد: ج ۲۰: ص ۱۳۴، بتحقیق الارنووط**، اور شیخ شعیب الارنووطؒ، شیخ عادل مرشد وغیرہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، **مسند احمد: ج ۴۲: ص ۳۹۶-۳۹۷**، محدث شعیب الارنووط نے کہا: **واسنادہ صحیح**)

الغرض جب "قراءة" میں سورہ فاتحہ شامل ہے، تو یہ تاویل ہی غیر صحیح ہے۔

نوٹ:

اثری صاحب کہتے ہیں کہ اگر تسلیم کیا جائے کہ حدیث "**من كان له إمام**" سے قراءت خلف الامام کی ممانعت ہوتی ہے، مگر چوں کہ دوسری حدیث (یعنی حدیثِ عبادہؓ) سے فاتحہ کی استثناء موجود ہے اس لئے یہ استثناء حدیث "**من كان له إمام**" میں بھی ملحوظ رہے گی۔ (**توضیح الکلام: ص ۸۸۳**)

حالانکہ علماء احناف حدیث عبادہؓ کو منسوخ مانتے ہیں۔ کیونکہ حدیثِ عبادہؓ میں مقتدی کو فاتحہ کی قراءت کا حکم ہے اور حدیثِ ابوموسیؓ، ابوہریرہؓ، ابودرداءؓ، جابرؓ وغیرہ میں مقتدی کو فاتحہ کی قراءت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور محمد بن کعب القرظیؒ (م ۱۰۸ ھ)، ابوالعالیہؒ (م ۹۳ ھ)، امام زہریؒ (م ۱۲۵ ھ)، مجاہدؒ (م ۱۰۴ ھ) کی مراسیل اور ابن عباسؓ کی متصل روایت میں تصریح ہے کہ حضور ﷺ کے پیچھے ایک صحابیؓ نے فاتحہ اور دوسری سورت کی بھی قراءت کی تھی اس پر یہ آیت "**وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون**" نازل ہوئی۔ چونکہ اس آیت میں امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔

اعتراض: (حدیث ''من کان لہ امام۔۔'' کے بعض طریق میں ابوالولید کا اضافہ امام صاحبؒ کی وجہ سے آیا؟؟)

اثری صاحب کہتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب اسی ''ابوالولید'' کا دفاع یہاں فرما رہے ہیں کہ یہ کوئی علیحدہ راوی نہیں۔ بلکہ عبداللہ بن شداد کی کنیت ہے۔ حالانکہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الاثار (ص ۲۳) میں یہی روایت امام ابوحنیفہ سے عن موسی بن ابی عائشہ عن عبداللہ بن شداد عن ابی الولید عن جابر کی سند سے ذکر کی ہے اور اس میں بھی ''ابوالولید'' کا واسطہ مذکور ہے۔ قاضی ابو یوسف کے واسطہ سے یہی روایت امام ابن عدیؒ نے الکامل (ص ۲۴۷۷ ج ۷) امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث (ص ۱۷۸)، امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ (ص ۱۰۲) اور امام دارقطنی نے السنن (ص ۳۲۵ ج ۱)، امام ابونعیم اصفہانی نے مسند الامام ابی حنیفہ (ص ۲۲۸) اور ابن عبدالبر نے التمہید (ص ۴۸ ج ۱۱) میں اسی واسطہ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ بلکہ امام ابونعیم نے زفر عن ابی حنیفہ کی سند میں بھی ابوالولید کا واسطہ ذکر کیا ہے اور اس بارے میں مزید جو اختلاف ہے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اور اسی ابوالولید کو امام خزیمہؒ وغیرہ نے مجہول کہا ہے۔ مگر مولانا صفدر صاحب فرماتے ہیں کہ ''ابوالولید'' عبداللہ بن شدادؒ کی ہی کنیت ہے۔ جیسا کہ امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث (ص ۱۷۸) میں کہا ہے۔ یہ کوئی علیحدہ راوی نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ واسطہ دارقطنیؒ، بیہقیؒ وغیرہ ہی اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کرتے۔ ان سے پہلے امام ابن خزیمہؒ بھی اسے ''ابوالولید'' کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں۔ (کتاب القراءۃ: ص ۱۰۳) بلکہ ان سے قبل خود قاضی ابو یوسف نے بھی کتاب الاثار (ص ۲۳) میں اس واسطہ کو ذکر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ واسطہ ذکر کرنے میں کس نے غلطی کی ہے؟ امام ابو حنیفہؒ نے یا قاضی ابو یوسفؒ نے۔

آگے کہتے ہیں کہ ہم دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ ''جابرؓ'' کا واسطہ ذکر کرنے میں امام ابوحنیفہؒ کو وہم، ہوا ہے اور وہ کبھی اسے مرسل بھی بیان کرتے ہیں بعینہ وہ کبھی تو ''ابوالولید'' کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس واسطہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ کبھی

اس لئے محمد بن کعب القرظیؒ (م ۱۰۸ھ)، ابوالعالیہؒ (م ۹۳ھ) کی روایات میں مزید تصریح ہے کہ اس آیات کے نزول کے بعد صرف حضور ﷺ قراءت کرتے اور صحابہ خاموش رہتے تھے۔ (**تفسیر ابن ابی حاتم: ج ۵: ص ۱۶۴۵، مجلہ الاجماع: ش ۱۴**)

غور فرمایئے! ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پہلے قراءت کرتے تھے، لیکن بعد میں ان کو قراءت سے منع کر دیا گیا۔ اس لئے علماء احناف حدیث عبادہؓ کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ (**العرف الشذی: ج ۱: ص ۳۱۱**)

اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

موسی بن ابی عائشہ عن ابی الولید عن جابر کہتے ہیں۔ کبھی ابوالولید کی جگہ ابوعلی کہتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابونعیمؒ نے مسند امام ابوحنیفہ میں ذکر کیا ہے۔ (**توضیح الکلام: ص ۹۵۳-۹۵۴**)

الجواب:

اولاً "ابوالولید" یہ کوئی الگ راوی نہیں ہے، بلکہ یہ عبداللہ بن شدادؓ کی کنیت ہے۔ جیسا کہ امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے تصریح کی ہے۔ (**معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ص ۱۷۸**)، لہذا ان کو مجہول کہنا غلط ہے۔

دوم "ابوالولید" کا اضافہ، یہ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ امام ابویوسفؒ (م ۱۸۲ھ) کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اگر یہ زیادتی امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی طرف سے ہوتی، تو ان کے دیگر شاگرد اس کو ان کے حوالہ سے بیان کرتے، لیکن سوائے امام ابویوسفؒ (م ۱۸۲ھ) کے، کسی سے یہ زیادتی ثابت نہیں ہے۔

سوم امام یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) نے بعض روایات میں یہ زیادتی یعنی "ابوالولید" کا ذکر نہیں کیا، چنانچہ مسند ابی حنیفۃ للحارثی کے حوالہ سے روایت گزر چکی جس میں ابویوسفؒ نے "ابوالولید" کا ذکر نہیں کیا۔ (**مسند ابی حنیفۃ للحارثی بحوالہ جامع المسانید: ج ۱: ص ۳۳۴، نیز دیکھئے مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۸۹**)، [۱] اسی طرح حافظ حارثیؒ کے علاوہ، حافظ ابن خسرو البلخیؒ (م ۵۲۲ھ) نے بھی ابویوسفؒ سے روایت نقل کی، جس میں "ابوالولید" کا اضافہ نہیں ہے۔ (**مسند ابوحنیفۃ لابن خسرو: ج ۲: ص ۷۵۴-۷۵۶، نیز دیکھئے مجلہ الاجماع: ش ۵: ص ۱۰۵**)،

اور ثقہ، عادل، حافظ طلحہ بن محمد الشاہدؒ (م ۳۸۰ھ)، امام قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاریؒ (م ۵۴۸ھ) وغیرہ نے بھی اپنے مسند ابی حنیفۃ میں ابویوسفؒ سے یہی روایت نقل کی، جس میں "ابوالولید" کا اضافہ نہیں ہے۔ (**جامع المسانید للخوارزمی: ج ۱: ص ۳۳۵-۳۳۶**)، نیز امام ابونعیم اصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے بھی ابویوسفؒ سے یہی روایت نقل کی، جس میں "ابوالولید" کا اضافہ موجود نہیں ہے۔ (**مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص ۲۲۶-۲۲۹**)،

---

(۱) ہمارے مہربان اثری صاحب نے اس روایت کو ذکر کر کے، حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) پر جرح نقل کی ہے۔ (**توضیح: ص ۹۵۴، حاشیہ**) حالانکہ اس کے جوابات دئے جا چکے ہیں۔ (**مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۸۹، نیز دیکھئے ص: ۲۲**)، اور حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کے متابع میں اور بھی ائمہ نے ابویوسفؒ (م ۱۸۲ھ) سے وہ روایات ذکر کی ہے، جس میں "ابوالولید" کا ذکر نہیں ہے۔ (جس کی تفصیل اُپر موجود ہے)، تو ان روایات کا اثری صاحب کیا جواب دینگے؟؟؟

خلاصہ یہ کہ جس طرح ابو یوسف سے ابو الولید کا اضافہ مروی ہے، اسی طرح اس اضافہ کے بغیر بھی ان سے روایت ثابت ہے۔ اور دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ شاید پہلے وہ ابو الولید کا اضافہ نقل کرتے تھے اور بعد میں وہ اس اضافہ سے رجوع کر کے، اس کے بغیر نقل کرنے لگے۔ واللہ اعلم

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) کے متاخر شاگرد مثلاً محمد بن سعید بن سابقؒ (م ۲۱۶ھ)، عمرو بن عون الواسطیؒ (م ۲۲۳ھ)، عبدالرحمٰن بن واقد الواقدیؒ (م ۲۴۷ھ) نے اس روایت کو ان سے ''ابو الولید'' کے اضافے کے بغیر ذکر کیا ہے۔ (**مسند ابی حنیفۃ للحارثی: ج ۱: ص ۴۱۶، مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص ۲۲۹، جامع المسانید للخوارزمی**[۱] : **ج ۱: ص ۳۳۶**)

چہارم　　جہاں تک زفر عن ابی حنیفہ کی سند میں ابو الولید کے اضافہ کے موجود ہونے کی بات ہے، تو اثری صاحب سے گزارش ہے کہ اس کی سند کو ثابت کریں، [۲] اسی طرح موصوف نے جو کہا کہ امام صاحبؒ کبھی ابو الولید کی جگہ ابو علی کہتے ہیں۔ (**توضیح: ص ۹۵۴**)، وہ روایت بھی اثری صاحب کے ذمہ ہے کہ وہ اس کو بھی ثابت کریں۔ ورنہ کم از کم اس طرح کی روایات امام

---

(۱)　　اس روایت کو ثقہ، قاضی محمد بن عبد الباقی الانصاریؒ (م ۵۳۵ھ) نے اپنے مسند ابی حنیفۃ میں اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

عن أبي بكر الخطيب البغدادي (عن) أبي القاسم عبيد الله بن عبد الله بن الحسين الخفاف (عن) أبي طالب محمد بن أحمد بن إسحاق بن بهلول (عن) عبيد الله الواقدي [عن ابيه] (عن) أبي يوسف (عن) أبي حنيفة رضي الله عنهما۔ (جامع المسانید للخوارزمی: ج ۱: ص ۳۳۶، نیز دیکھئے تاریخ بغداد: ج ۱۰: ص ۳۳۸)

اس سند کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں۔

(۲)　　نیز امام زفرؒ (م ۱۵۸ھ) سے مروی کتاب الاثار کے نسخے میں یہ روایت بغیر ابو الولید کے اضافہ کے موجود تھی۔ چنانچہ حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کہتے ہیں کہ

حدثنا زكريا بن يحيى بن كثير الأصبهاني، حدثنا أحمد بن رستة، حدثنا محمد بن المغيرة، حدثنا الحكم، حدثنا زفر عن أبي حنيفة، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبد الله ابن شداد، عن جابر بن عبد الله أن رجلاً قرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم في صلاة الظهر أو العصر فأومأ إليه رجل ينهاه، قال: فلما فرغ النبي صلى الله عليه وسلم تنازعا في ذلك حتى سمع النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ((من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة))۔ (مسند ابی حنیفۃ للحارثی: ج ۱: ص ۴۱۳)

<u>سند کی تحقیق:</u>

صاحب کی طرف منسوب نہ کریں۔

پنجم　　امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) سے مروی جس روایت میں ابوعلی کا ذکر آیا ہے، اس میں ابن شدادؓ کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ

---

(۱)　حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ) کی توثیق کے لئے دیکھئے ص: ، اور مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۸۹۔

(۲)　ابو یحیی، زکریا بن یحیی بن کثیر بن زر الاصبہانیؒ صدوق ہیں۔

ان سے حافظ حارثیؒ (م ۳۴۰ھ)، حافظ ابن المقرئؒ (م ۳۸۱ھ)، عبداللہ بن محمد، محمد بن الحسن بن الحسین الکوفیؒ (م ۳۵۵ھ) وغیرہ نے روایت لی ہے۔ (**مسند ابی حنیفہ للحارثی: ج ۱: ص ۴۱۳، ج ۲: ص ۷۰۹، معجم ابن المقری: ص ۲۶۴، تاریخ الاصبہان لابی نعیم: ج ۱: ص ۳۷۹**) اور ان پر کسی نے جرح نہیں کی۔ لہذا وہ صدوق ہیں۔ دیکھئے (**مجلہ الاجماع: ش ۱۶: ص ۳۱**)

(۳)　احمد بن رستہ بن عمر الاصبہانیؒ (م ۲۹۳ھ) بھی صدوق ہیں۔ (**ارشاد القاصی والدانی: ص ۱۱۴-۱۱۵**)،

(۴)　ابو عبداللہ، محمد بن المغیرۃ بن سلم الاصبہانیؒ (م ۲۳۱ھ) بھی صدوق ہیں۔ (**کتاب الثقات لابن حبان: ج ۹: ص ۱۰۵، تاریخ الاسلام: ج ۵: ص ۹۳۰، تاریخ اصبہان: ج ۲: ص ۱۵۵**)،

(۵)　الحکم بن ایوبؒ الاصبہانیؒ بھی صدوق ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: ج ۴: ص ۱۰۹۷، تاریخ اصبہان: ج ۱: ص ۳۵۰**)،

(۶)　امام زفر بن ہذیلؒ (م ۱۵۸ھ) مشہور ثقہ، فقیہ ہیں۔ (**کتاب الثقات للقاسم: ج ۴: ص ۳۱۳**)، باقی روات کی توثیق گزر چکی۔ (**دیکھئے مجلہ الاجماع: ش ۱۷: ص ۸**)

لہذا یہ سند حسن ہے۔ اور احمد بن رستہ بن عمر الاصبہانیؒ (م ۲۹۳ھ) کے بارے میں امام، حافظ ابو الشیخؒ (م ۳۶۹ھ) کہتے ہیں کہ

"كان عنده السنن عن محمد، عن الحكم بن أيوب، عن زفر، عن أبي حنيفة"

احمد بن رستہؒ جو محمد بن مغیرہ کے نواسے ہیں، ان کے پاس "کتاب السنن" [کتاب الآثار] تھی جس کو وہ اپنے نانا محمد بن مغیرہ سے، وہ حکم بن ایوبؒ سے، وہ امام زفرؒ سے، اور وہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے تھے۔ (**طبقات المحدثین لابی الشیخ: ج ۴: ص ۱۵۷**)،

معلوم ہوا کہ احمد بن رستہؒ (م ۲۹۳ھ) کے پاس کتاب الاثار موجود تھی۔ لہذا کتاب ہونے کی وجہ سے، ان کی یہ روایت کو دیگر حضرات [عمرو بن شہابؒ وغیرہ جن کے پاس کتاب نہیں تھی، ان] کی روایات پر ترجیح ہوگی۔

پھر ثقہ، حافظ ابو نعیم الاصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) بھی فرماتے ہیں کہ

"اختلف أصحاب أبي حنيفة عليه في هذا الإسناد، فقال بعضهم: عن عبد الله بن شداد، عن أبي الوليد، عن جابر، وممن رواه كروايته أبو يوسف، وممن تفرد: زفر من روايته عن ابن حكيم، وإسحاق الأزرق، ويونس بن بكير، وجابر، ومصعب، وخلف بن ياسين"

حافظ ابونعیم الاصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا الحسن بن علان، ثنا عبد الله بن أبي داود، قال: أنا إسحاق بن إبراهيم، أنا سعيد بن الصلت، قال: أنا أبو حنيفة، عن أبي الحسن، عن أبي الوليد، عن جابر، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه انصرف من صلاة الظهر أو العصر، فقال: »من يقرأ منكم بسبح اسم ربك الأعلى؟ فسكت القوم حتى قال ذلك مرارا، فقال رجل من القوم: أنا يا رسول الله قرأتها، فقال: «لقد رأيتك نازعتني أو خالجتني في القرآن" ورواه سعيد بن مسلمة عن أبي حنيفة، عن أبي الحسن، عن أبي علي، عن جابر، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه، حدثناه محمد بن إبراهيم، ثنا مكحول بن محمد بن عبد الله، قال: ثنا محمد بن غالب، قال: ثنا سعيد بن سلم، قال: ثنا أبو حنيفة، عن أبي الحسن، عن أبي علي، عن جابر، عن النبي صلى الله عليه وسلم۔ (مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص ۲۲۹)

غور فرمائیے! ان دونوں روایتوں میں عبداللہ بن شدادؓ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ابوالحسن موسی بن ابی عائشہؒ کے بعد، ابوعلی کا ذکر ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ ابوعلی درصل عبداللہ بن شدادؓ (م ۸۱ھ) ہی ہوں۔ کیونکہ ایک راوی کے ایک سے زیادہ کنیت ہوسکتی ہیں، جس کی کئی مثالیں کتب جرح وتعدیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

نیز چونکہ ابن شدادؓ (م ۸۱ھ) جنگ نہروان میں، حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور حضرت علیؓ کے فضائل بیان کرتے تھے، بلکہ بعض ائمہ نے ان کو شیعہ تک کہہ ڈالا۔ (**تہذیب التہذیب: ج ۵: ص ۲۵۱، اکمال تہذیب الکمال للمغلطائی**)، اس وجہ سے بھی ان کو ''ابوعلی'' [یعنی علی والا] کہا گیا ہو۔ واللہ اعلم

لہذا قوی احتمال ہے کہ یہاں اس روایت میں ابوعلی سے مراد عبداللہ بن شدادؓ (م ۸۱ھ) ہیں اور اثری صاحب کا ان روایات کو امام صاحب کے سوء فہم وحفظ کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرنا باطل ومردود ہے۔

اصحاب ابی حنیفہ نے اس سند میں اختلاف کیا ہے۔ بعض رواۃ نے عبداللہ بن شدادؓ اور جابر بن عبداللہؓ کے درمیان ''ابوالولید'' کا اضافہ کیا ہے، جیسا کہ ابویوسفؒ۔ اور جن حضرات نے عبداللہ بن شدادؓ اور جابر بن عبداللہؓ کے درمیان ''ابوالولید'' کا اضافہ ذکر نہیں کیا ہے، وہ امام زفرؒ، ابن حکیمؒ کی روایت میں، اسحاق الازرقؒ، یونس بن بکیرؒ، جابرؒ، معصب، خلف بن یاسینؒ وغیرہ ہیں۔ (**مسند ابی حنیفۃ لابی نعیم: ص ۲۲۶**)

معلوم ہوا کہ شداد بن حکیم البلخیؒ (م ۲۱۰ھ) کے طریق میں بھی امام زفرؒ (م ۱۵۸ھ)، امام صاحبؒ (م ۱۵۰ھ) سے ''ابوالولید'' کا اضافہ ذکر نہیں کرتے۔ والحمدللہ (نیز دیکھئے **مسند ابی حنیفۃ للحارثی: ج ۱: ص ۴۱۳**)

مسند احمد بن منیع کی سند پر اثری صاحب کے اعتراض کا جواب۔

-مولانا نذیر الدین قاسمی

ثقہ، ثبت، حافظ، امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ

أبنا إسحاق الأزرق، ثنا سفيان وشريك، عن موسى ابن أبي عائشة، عن عبد الله بن شداد، عن جابر قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس کا نماز میں کوئی امام ہو، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ (مسند احمد بن منیع بحوالہ **اتحاف الخیرة المهرة للبوصیری: ج۲: ص۸۰، ج۲: ص۱۶۸**)

روات کی تحقیق:

(۱)　امام احمد بن منیعؒ (م ۲۴۴ھ) مشہور ثقہ، ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔ (**تقریب: رقم ۱۱۴، تحفة اللبيب بمن تكلم فيهم الحافظ ابن حجر من الرواة في غير التقريب: ج۱: ص۲۶۹**)

(۲)　اسحاق بن یوسف الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، حجت، حافظ الحدیث اور ثبت، مامون، امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۹۶، سیر، تاریخ الاسلام**)[۱]

(۳)　امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) بھی مشہور ثقہ، امام، حافظ الحدیث اور حجت ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۴۴۵**)، ان کے متابع میں شریک بن عبد اللہ النخعیؒ (م ۱۷۷ھ) بھی عند المتابعات صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: رقم ۲۷۸۷**)

---

(۱)　**اعتراض:**

اثری صاحب کہتے ہیں کہ اسحاق الازرقؒ ثقہ ہیں، مگر سفیان سے روایت میں متکلم فیہ ہیں، چنانچہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق الازرق سفیان سے روایت کرنے میں اکثر غلطی کر جاتا ہے۔ الازرق حافظ ہے، مگر وہ خطاء کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اور یہ روایت بھی سفیان سے ہے۔ شریک سفیانؒ کا متابع ہے، مگر سفیانؒ و شریکؒ کے احفظ تلامذہ اسے مرسل بیان کرتے ہیں۔ لہذا سفیان و شریک کے اکثر اور احفظ تلامذہ کی روایت کے مقابلے میں اسحاق کی یہ روایت شاذ اور مرجوح ہے۔ (**توضیح الکلام: ص۸۴۹**)

الجواب:

اگر امام احمدؒ کے نزدیک اسحاق الازرق سفیان سے روایت کرنے میں اکثر غلطی کر جاتا ہے۔ تو دیگر ائمہ کے نزدیک اسحاق الازرق سفیان سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں۔

(۴)　موسیٰ بن ابی عایشہؒ اور

چنانچہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ)، امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) نے اپنی اپنی صحیح میں اسحاق الازرق عن سفیان کی روایت نقل کی ہے۔ (**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۱۷۶۳، صحیح مسلم: ج ۱: ص ۴۲۸، حدیث نمبر ۶۱۳**)، اسی طرح کئی محدثین مثلاً امام ترمذیؒ، (م ۲۷۹ھ)، امام ابوعلی الطوسیؒ (م ۳۱۲ھ)، امام ابوعوانہؒ (م ۳۱۶ھ)، امام ابن حبانؒ (م ۳۵۶ھ)، امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ)، امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)، امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ)، امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) وغیرہ نے "**اسحاق الازرق عن سفیان**" کی روایت کو صحیح تسلم کیا ہے۔ (**ترمذی: حدیث نمبر ۱۶۹۹، مستخرج الطوسی: ج ۲: ص ۲۸۷، صحیح ابوعوانہ: حدیث نمبر ۳۲۹۵، صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ۳۸۴۶، المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبی: ج ۲: ص ۴۶۵، شعب الایمان للبیہقی: ج ۵: ص ۱۸۰، الاحادیث الامختارۃ: ج ۳: ص ۴۳۰**)

لہذا ان تمام ائمہ کے نزدیک اسحاق الازرق سفیان سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں۔ اور امام احمدؒ کا قول مرجوح ہے۔

اور رہا یہ کہ سفیانؒ و شریکؒ کے احفظ تلامذہ اس روایت کو مرسل بیان کرتے ہیں۔ تو عرض ہے کہ خود غیر مقلدین تسلیم کر چکے ہیں کہ ثقہ، حافظ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ (**انوار البدر: ص ۱۰۶، اختصار علوم الحدیث: ص ۴۸**) اور اسحاق الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) ثقہ، حجت، حافظ الحدیث اور ثبت، مامون اور امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۹۶، سیر، تاریخ الاسلام**) اور اسحاقؒ سفیان کی روایت میں بھی ثقہ ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔ اور وہ شریک النخعیؒ (م ۱۷۸ھ) کی روایتوں کے اعلم الناس اور ان سے مکثر تھے۔ (**تہذیب الکمال: ج ۲: ص ۴۹۸**)، لہذا ثقہ، حجت، حافظ الحدیث، ثبت، مامون اور امام اسحاق الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) کی زیادتی مقبول ہوگی۔ اور اثری صاحب کا اعتراض مردود ہے۔

اور سفیان ثوریؒ سے، اس روایت کو مسند نقل کرنے میں اسحاق الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) منفرد نہیں ہے۔ بلکہ خود امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کہتے ہیں کہ

"وروي هذا الحديث, عن جماعة من المجهولين والضعفاء عن سفيان الثوري, عن موسى بن أبي عائشة, عن عبد الله بن شداد, عن جابر, عن النبي صلى الله عليه وسلم موصولا"۔

روایت کیا گیا اس حدیث کو مجہولین وضعیف رواۃ کی ایک جماعت سے، کہ ان حضرات نے اس حدیث کو "**عن سفيان الثوري, عن موسى بن أبي عائشة, عن عبد الله بن شداد, عن جابر**" کی سند سے موصولا ذکر کیا ہے۔ (**کتاب القراءت للبیہقی: ص ۱۵۰**)

امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کی اس بات سے کم سے کم اتنا تو معلوم ہوا کہ سفیان ثوریؒ سے، اس روایت کو مسند نقل کرنے میں ثقہ، ثبت، حجت، حافظ، امام اسحاق الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی متابع ایک جماعت موجود ہے۔ جو کہ اگرچہ ضعیف ہے، لیکن متابعات میں قابل ذکر ہے۔ جیسا کہ خود اثری نے توضیح الکلام میں کئی جگہ مانا ہے۔

لہذا سفیان سے اس روایت کو مسند نقل کرنے میں، امام اسحاق الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) پر تفرد کا الزام بھی غیر صحیح ہے۔

(۵) ابوالولید، عبداللہ بن شداد بن الہادؓ کی تفصیل گزر چکی۔

(۶) عبداللہ بن جابرؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (تقریب)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں۔

ائمہ محدثین کی تصحیح:

اور حافظ بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے اس روایت کو اپنی کتاب میں ۲، ۲ جگہ نقل کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے **اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ج ۲: ص ۸۰، ج ۲: ص ۱۶۸۔**

نیز امام ابن الہمامؒ (م ۸۶۱ھ)، حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ)، شیخ، فاضل، محدث محمد ہاشم سندھیؒ (م ۱۱۷۴ھ)، مشہور مفسر، محدث، محمود بن عبداللہ الآلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ)، محدث محمد بن علی النیمویؒ (م ۱۳۲۲ھ)، محدث الہند، امام انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۳ھ) وغیرہ نے بھی اس کو اپنی اپنی کتابوں میں صحیح قرار دیا ہے۔ (**فتح القدیر: ج ۱: ص ۳۳۸، تخریج احادیث الاختیار: ج ۱: ص ۱۶۸، طبع الفاروق، مصر، تنقیح الکلام: ص ۱۳۲، رسالۃ الدکتوراۃ، تفسیر آلوسی: ج ۵: ص ۱۴۱، آثار السنن مع تعلیق الحسن: ص ۹۴، العرف الشذی: ج ۱: ص ۳۱۲**)

نوٹ:

اسحاق بن یوسف الازرقؒ (م ۱۹۵ھ) نے شریک بن عبداللہ النخعیؒ سے ان کے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے۔ (**اکمال تہذیب الکمال: ج ۶: ص ۲۴۶-۲۴۷**)